انسان اور قرآن

مکتوباتِ حسنؒ

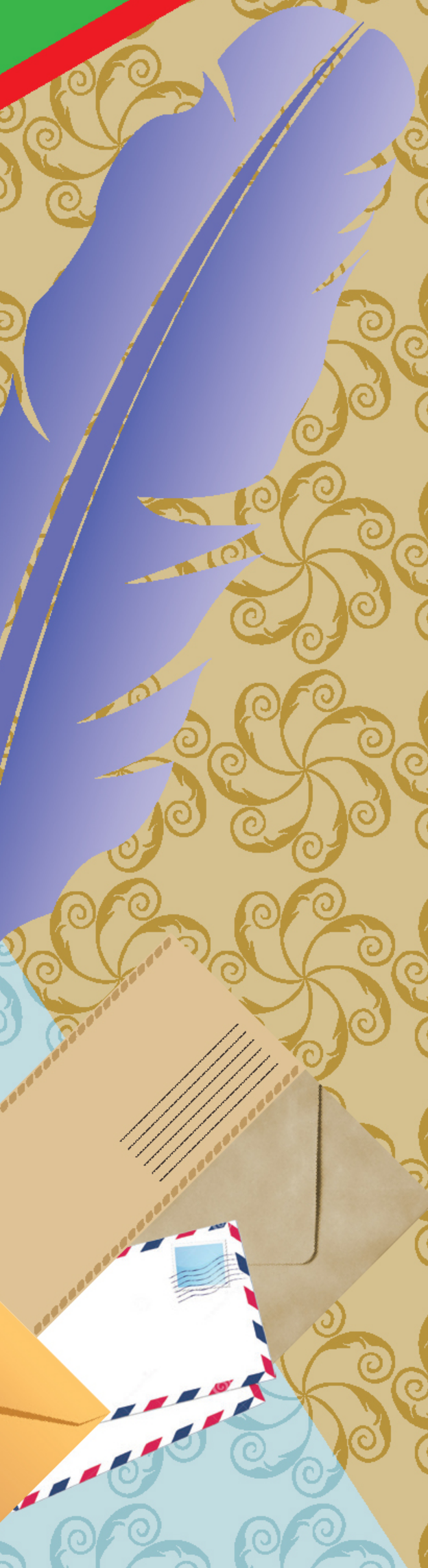

مصنف

حضرت شاہ سید حسن قادری صاحب رحمۃ اللہ علیہ

ناشر

حضرت مولانا شاہ محمد کمال الرحمٰن قاسمی صاحب دامت برکاتہم

وَمَآ اَرۡسَلۡنَا مِنۡ رَّسُوۡلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوۡمِهٖ لِيُبَيِّنَ لَهُمۡ ؕ

(ابراہیم: ۴)

اور کوئی رسول نہیں بھیجا ہم نے مگر بولی بولنے والا اپنی قوم کی تا کہ ان کو سمجھائے

اِنسان اور قُرآن

مقام صالحیت وشہادت

دین حق کی واجدانی تفہیم

جس سے اللہ کی الوہیت اور بندہ کی عبدیت واضح ہو

بہ توفیق سبحانہ تعالی

از

فقیر سید حسن قادریؒ

پیش لفظ

الحمد للہ رب العلمین والعاقبۃ للمتقین والصلوٰۃ والسلام علی اشرف الانبیاء والمرسلین

اما بعد

برادرانِ اسلام

کتاب ہذا موسومہ-"انسان اور قرآن"-جس میں حضرت والد ماجد شاہ غلام محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے پیر طریقت حضرت مولانا محمد حسین صاحب ناظم عدالت وپرتی کے خلیفۂ اجل بزرگ شیخ جن سے بعد میں حضرتؒ نے کچھ استفادہ بھی فرمایا اور انہیں سے حضرت والد ماجدؒ کو خلافت بھی حاصل ہے، حضرت شاہ سید حسن قادری رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیف ہے۔

حضرت کی حین حیات بھی ایک دفعہ شائع کی گئی تھی، مگر اب تقریباً نایاب ہے۔

دراصل اس کتاب میں مرتبۂ صالحیت وشہادت کے علوم محفوظ ہیں، یہ علوم عوام کیلئے بھی مشعل راہ ہیں۔ نیز منتسبین سلسلہ کیلئے بھی مفید ہیں۔ اس لئے دوبارہ اس کی طباعت کی کوشش کی جارہی ہے، یہ حضرت والد ماجدؒ کی خواہش بھی تھی اور حضرت سید حسن قادریؒ نے بھی اپنے مکتوب میں اس کا اشارہ دیا ہے، اور حضرت صوفی صاحبؒ کو حضرت سید حسن قادریؒ

نے جومکتوبات ارسال فرمائے وہ بھی ابتداء میں مکتوباتِ حسینی کے نام سے محفوظ کر دئے گئے ہیں جن سے حضرت صوفی صاحبؒ کے احوال اور اس پر شیخ سے استفسار اور شیخ کا سالک طریقت کو جو جواب ہے وہ ملاحظہ کیا جائے۔

اس سے دو فائدے انشاءاللہ منطبق ہوں گے، ایک یہ کہ خط کن حالات کی بابت کیسا لکھنا ہے، مرید کو شیخ کے پاس اور شیخ کو مرید کے پاس دوسرے اس میں علوم و اسرار پوشیدہ ہیں جو حسب لیاقت افراد استفادہ کریں گے۔

امید کہ مخلوق خدا استفادہ کرے گی۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ قبولیت و مقبولیت عطا فرمائے۔ آمین

محمد کمال الرحمن

مختصر سوانح
حضرت شاہ سید حسنؒ

حضرت کا اسم مبارک سید حسن اور آپ کے والد کا اسم شریف سید اسد اللہ تھا۔ بمقام ادھونی ضلع کرنول میں ذوقعدہ ۱۳۱۲ھ م میں آپ کی ولادت ہوئی۔ آپ کی ابتدائی تعلیم اپنے حقیقی ماموں حضرت سید محبوب پیر حسینیؒ کی نگرانی میں ہوئی۔ اپنے والد ماجد کے ساتھ حیدرآباد منتقل ہوئے، منشی تک تعلیم حاصل کی جہاں شاہ سید تاج الدین قادریؒ اور سید احمد حسین امجدؔ جیسے فاضل اساتذہ سے استفادہ کا موقع ملا۔ آپ کا عقد سید محمد بادشاہ حسینی صاحب کی دختر سے ۱۳۳۰ھ میں ہوا جن کا سلسلہ حضرت خواجہ بندہ نواز حسینی گلبرگہ سے ملتا ہے۔ حضرت نے محکمہ معتمدی فوج میں ملازمت اختیار کی۔ اس دوران حضرت کے پہلے فرزند شوال ۱۳۳۲ھ میں پیدا ہوئے مگر ۳ سال کی عمر میں انتقال کر گئے۔ شوال ۱۳۳۵ھ میں حضرت ممدوح کے دوسرے فرزند سید اسد اللہ صاحب تولد ہوئے۔

بزرگانِ دین کے مزارات کی زیارت فرماتے ہوئے ۱۴/ رجب ۱۳۵۱ھ بروز پنجشنبہ حضرت سید محمد گیسودرازؒ کی مزار پر حاضر ہوئے تھے کہ اس موقع پر یکدم فضلِ ایزدی سے ایک خاص جذبہ طاری ہوا۔ اسی وقت سے آپ کا حال بدلا خصوصی فضل ہوا، سبھی طور پر رہبری ہوئی۔ رفتہ رفتہ حضرت مرشدنا شیخ محمد حسین صاحبؒ کی خدمت فیض درجات میں حاضری ہوئی۔ ۲۰/ رجب ۱۳۵۲ھ بروز پنجشنبہ بوقت ۹ ساعت شب حضرت محمد حسین صاحبؒ نے بعد استخارہ ۷/ محرم ۱۳۵۲ھ بروز یکشنبہ خلافت سے سرفراز فرمایا۔ آپ اکثر

حضرت محمد حسینؒ کی خدمت میں حاضر رہتے اور حضرت محمد حسینؒ کے خلفاء کی خصوصی مجلسوں میں شرکت ہوتی تھی۔ اور کبھی کبھی ان مجلسوں کو آپ بھی مخاطب فرمایا کرتے تھے۔ ان خلفاء میں جناب محمود یار جنگ قریشی، جناب الیاس برنی صاحب، ڈاکٹر میر ولی الدین صاحب، جناب جمیل الدین احمد اور جناب عبدالقادر صاحب قابلِ ذکر ہیں۔

حضرت ممدوح ۱۳۵۷ھ میں بغرضِ حج وزیارت تشریف لے گئے حج سے واپسی کے بعد ۳۰ سال مدت ملازمت پوری ہوجانے پر ۵۵ سالہ عمر شریف سے قبل ہی ملازمت سے وظیفہ حاصل کرلیا۔ پورا وقت درس وتدریس میں گزرتا تھا۔ حضرت کی تعلیمات کا خصوصی موضوع تفہیمات کلمہ طیبہ ہوتا تھا۔ مولانا جمیل الدین احمد صاحب کی خواہش پر موصوف کے مکان پر جو درسِ حدیث کی مجلس منعقد ہوتی تھی اس کو حضرت ممدوح بھی مخاطب فرمایا کرتے تھے۔ مسجد دولہے خاں نواب چنچل گوڑہ میں اکثر حضرت کا بیان ہوا کرتا تھا۔ ہمعصر خلفاء کی مجلسیں عموماً جمعرات بعد مغرب منعقد ہوتی تھیں۔ اس میں حضرت ممدوح بالخصوص مخاطب فرمایا کرتے تھے۔ بینائی کی کمزوری کی وجہ سے اتوار کی محفل گھر ہی پر ہوتی اور ہر پنجشنبہ بعد ظہر مستورات کی مجلس کو بھی مخاطب فرمایا کرتے تھے۔

حضرت کے خلفاء میں حضرت شاہ صوفی غلام محمد صاحب دامت برکاتہم کے ساتھ ساتھ سید عبدالجبار صاحب، قدرت احمد صاحب، سید ناظم علی صاحب، سید عبدالقیوم صاحب، سید امین الدین صاحب حسینی بھی ہیں۔ ان کے علاوہ خصوصی استفادہ کرنے والوں میں ڈاکٹر عبدالمجید خاں صدر شعبہ عربی یونیورسٹی، جناب سید تقی الدین صاحب، سید علی ہاشمی صاحب، غوث محمد خاں صاحب، مولانا شریف حسین صاحب کانپوری، جناب حامد علی صاحب جناب عبدالسمیع صاحب، جناب حبیب محمد صاحب گتہ دار، پروفیسر شیخ نصیب خاں صاحب بھی ہیں۔ حضرت ممدوح کا انتقال ۸ رشوال ۱۳۸۰ھ روز یکشنبہ صبح ۵:۳۰ بجے ہوا اور روبرو مسجد بخاری سعید آباد میں تدفین عمل میں آئی۔

مکتوبات حسن

حضرت سید حسن قادریؒ

(۱)

جناب محترم! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

الحمدللہ علیٰ احسانہ۔ ماشاء اللہ لاقوۃ الا باللہ۔ کہ میری بیوی کا ۲ ربیع الاول ہفتہ کا دن گذرنے کے بعد رات کے ساڑھے گیارہ بجے انتقال ہوا۔ اتوار کے دن حضرت محمد حسینؒ کے مزار کے قریب دفن ہوئیں۔ مگر سب سے بڑی چیز اللہ کے فضل سے یہ ہوئی کہ واپسی آداب ایمان وتقویٰ کے تحت ہوئی جو باعث تشکر ہے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ آداب مغفرت جو کتاب وسنت میں ہیں وہ سارے موجود تھے تفصیلات کی ضرورت نہیں ہے۔

عجیب بات ہے کہ قلب میں موت کا آنا باور نہیں آرہا ہے حالانکہ موت سامنے ہوئی یہ سرفرازی حیات طیبہ کی علامت ہے اللہ پاک نے مجھے تجرید وتفرید میں رکھا ہے یہ احسان حق ہے۔ الحمدللہ! کس طرح بتاؤں کہ تفرید کس کو کہتے ہیں۔

حدیث کا ایک جملہ پڑھئے کُن فَرْدًا اللّٰہُ فَرْدٌ (اوکما قال) فردیت معنیٰ ہے اِلٰہ واحد کے، نفس واحدہ جس کا مقام ہے۔ سب کو میری طرف سے سلام فرمایئے۔ مولوی عبدالستار خان صاحب، اپنے چند رفقاء کے ساتھ آپ کے پاس آنا بیان کرتے تھے جو تبلیغی جماعت کے فرد تھے مجلس میں کچھ آپ نے تفہیم دی اور کچھ انہوں نے بھی کہا۔

جزاک اللہ خیر الجزاء۔ خادم۔ ''سید حسن''

(۲)

نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

ذوی الکرم وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

مرسلہ کارڈ ملا۔

عالمِ کا واپس ہونا ایک عالم کا مرنا ہے تو عارف کی واپسی کیا ہوگی۔

واقعی حضرت قبلہ مدظلہ العالی کا پردہ فرمانا غیر معمولی کمی ہے مگر ساتھ ہی حضرت موصوف نے اپنے فیضان رسالت کی بہت سی نہریں جاری فرمادیں (دام اللہ برکاتہم)

حضرت کی واپسی میں صبر وشکر دونوں ہیں جسمی وناسوتی مفارقت انتہائی رنج والم کا مصداق ہے روحی قرب تو ہر آن ہے کیوں کہ حیات طیبہ نعمتِ عظمیٰ ہے حضرت جسمی وروحی فدا کے احسان ناقابل بیان ہیں اللہ پاک اس سلسلہ میں دن رات ترقی عطا فرمائے۔

حضرت کے منتسبین ان کے دیئے ہوئے علم پر جس قدر عمل کریں گے انہیں کو اس کی جزا ملے گی اور ان کی مسرّت اس میں ہے کہ ان کے علم پر چلیں اور دوسروں تک پہنچائیں جس قدر ہو سکے۔

میرا قلب میں کس طرح دکھا سکتا ہوں کہ اس میں اُن کی مفارقت کیا ہے حزن وملال بھی انتہائی اور مسرت بھی انتہائی یہ دونوں انعام حق ہیں آپ جس وقت چاہیں میں ہر طرح حاضر ہوں۔

المرقوم ۹۲/ ۵۴ف۔ سید حسن

(۳)

مورخہ ۶۔۱۸ف ۵۵

حضرت محترم اضعف اللہ عرفانک

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ ۔گرامی نامہ ملا۔ادائی جواب میں اس لئے تاخیر ہوئی کہ خادم سفر کرنول سے واپس ہونے کے بعد تعلقدار صاحب الند شریف ضلع گلبرگہ نے جن کا عرصہ سے شدید ترین تقاضہ رہتا تھا عرس کے موقع پر مدعو فرمایا اور یہ بھی خواہش تھی کہ بتقریب عرس کچھ تقریر بھی ہو جس کے جواب میں عذر کرتے ہوئے لکھا کہ میں کوئی عالم ‘فاضل مشائخ میں سے نہیں ہوں اور نہ کسی عنوان پر پہلے سے تصور کر کے کوئی تقریر کر سکتا ہوں ایسی تقاریر ایسے موقع پر شغل سے زیادہ اہمیت نہیں رکھتے۔

جہاں عرس میں دوسرے مشاغل ہیں وہاں یہ بھی ایک شغل ہے شغل یا تفریح دماغی کے تحت تقریر کرنا ذمہ داری کی بات ہے غرضیکہ مجھے معاف فرمائیں، انہوں نے پھر لکھا ہے کہ آپ بالکل تشریف لائیں، آپ خود مختار رہیں گے چاہیں بولیں یا نہ بولیں صرف مہمان کی حیثیت سے تشریف لائیے بہر حال مشورہ کر کے ایسی دعوت میں چلا گیا جو گلبرگہ شریف سے ۲۵ میل پر ہے دو دن تو کچھ نہیں بولا البتہ دوسرے روز شام سے کام شروع ہوا تقریباً ۳ روز اچھا کام رہا۔ایک شخص الحادی عقیدے والا ملا۔اس سے تفصیلی باتیں ہوئیں بالآخر اپنے خدا ہونے کے عقیدے سے انکار کیا اور بلدہ آ کر تفصیل معلوم کرنے کی خواہش کی حق تعالیٰ برکت عطا فرمائیں بعد واپسی خط ملا جس کا جواب عرض ہے جو کچھ کیفیات مذکور ہوئے ہیں ان کو احوال کہتے ہیں۔

احوال وانکشاف کی نسبت اجمالاً اسقدر عرض ہے کہ اگر وہ کتاب وسنت کے مطابق ہو تو توجہ کی جانی چاہئے ورنہ لائق رد ہیں۔ یہ مطلق عقیدہ ہے۔

اب ہر سوال کا جواب درج ذیل ہے۔

☆ نماز میں نوری انفتاح اجالا یا ضیائی رکھتا تھا یا علم ہی علم تھا۔ مادی حیثیت تھی تو اس کو کشف کہتے ہیں علمی حیثیت تھی تو انفتاح۔

دونوں صورتوں میں تمثل کی نمائش یقین دلانا معلوم ہوتا ہے کہ نور کس طرح تمثل یا شکل اختیار کرتا ہے تاکہ عقیدہ میں پختگی ہو نور اور صورت کی مغائرت بھی واضح ہو جائے الحمدللہ

☆ تفکر سے تذکر قائم ہوتا ہے۔ یافت وشہود میں چونکہ ذات مدرک رہتی ہے اس لئے اس کی جزا ذوق ومستی ہے۔ تفکّر کیا ہے؟

جس شئی پر توجہ ہو اس کے سوا دوسرے کا ذکر قلب میں نہ رہے صرف ایک ہی شئی رہے تو ایسی صورت میں خطرات بند ہو جاتے ہیں دین میں استعمال علم حق عبادت ہے اور قرب میں استشہاد ذات عبادت ہے۔

عورت تو جنس مرد ہے اور خَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا سے ممتاز ہے گویا مرد ہی کا انا ہے اور یہی رغبت کی علّت ہے۔ یہ مضمون ذرا بالمشافہ حل طلب ہے کہ عورت کیا ہے؟ اور کیوں وارفتگی ہوتی ہے نظر ہٹا سکتے ہیں دل نہیں ہٹا سکتے یہاں صرف جذبۂ شہوانی دیکھنا ہے اگر ادراک حق ہے صورت عورت میں تو اس کا ثمرہ ذوق ایمانی ہوگا اور اگر وجود حق ملحوظ نہیں ہے صرف عورت ملحوظ ہے تو۔

اس کا ثمر جذبۂ شہوانی ہوگا کیوں کہ ہر علم اپنے عملیات کا حامل ہوتا ہے۔ لہذا احتیاط شرعی غیر متوازن نہیں ہونے دیتی۔ جذباتِ نفسی اسی نفس میں مندرج رہتے ہیں نفس کا ایک مقام شرک ہے ایک مقام توحید۔

دونوں کا فرق غور طلب ہے۔ شریعت دونوں پر حاوی ہے یہ بیان اقتضاء نفس شرک و توحید ہی اہمیت رکھتا ہے۔ اِنشاءاللہ بالمشافہ۔ مگر اس وقت نظر وادراک میں مبیّنہ نتائج و ثمرات پیش نظر رہیں۔

☆ ریا یا نمائش اس لئے منع ہے کہ انسان وجودی مغائرت کے ساتھ دوسرے کو دیکھتا ہے جب فہم غیر واضح ہے یعنی مخلوق وجودً افنا ہو کر اپنے مرتبہ کے لحاظ سے ہے تو پھر فہم ''انا'' بھی بدلا۔ اور احکام و آثار بھی بدلے تبادلہ سیئات وحسنات میں آپ اس کو کسی خاص حالت سے مقید کیوں فرماتے ہیں یہ صورت ہوسکتی ہے اس کے سوا اور بھی۔

علّت وسوسہ کیا ہے؟ اس کو غور فرمایئے اقتضاء انسانی شر ہے اور اس کے لوازمات کا نام وسوسہ ہے مرتبہ دین میں اس کا نام ہویٰ ہے۔ ہویٰ کیا ہے؟ علم حق کو اپنا سمجھنا ہویٰ ہے۔

وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى ☆ فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَاوٰى۔

یعنی نفس کے علم سے کٹا ہو تو فنا اس کی جزاء جنت ماوی ملی۔ یعنی علم من اللہ ہوا مگر ابھی نفس باقی ہے غرضیکہ علم میں من اللہ ادراک کرنا ہی توحید ہے خطرۂ نفسی فاصل تھا اب وصل بنا۔ گویا علم ذریعہ ادراک ذات ہوا الحمدللہ۔ ادراک علیم میں علم کہاں رہ سکتا ہے خطرہ خود بندر رہے گا۔

☆ شئی سے پہلے شئی کے بعد یا شئی دیکھتے وقت ملاحظہ ذات کی نظریں ہوتی ہیں جو بھی نظر ہو بہر حال حق ملحوظ رہے جب انسان کسی فن کی طرف رہتا ہے تو تدریجاً استعداد ترقی کرتی ہے مستی و ذوق ابتدائی لوازمات ہیں جب روح میں استعداد کافی ہو جاتی ہے تو ذوق بدلتا رہتا ہے۔ نیز مطلوب ومقصود ذوق ہے یا ذات؟

ذات مطلوب رہے تو جملہ مخلوقات تابع، فانی ہیں لہٰذا خلق میں تبدیلی رہتی ہے ہوا کرے مدنظر ذات رہے۔

وظائف میں الفاظ ہیں مگر علم ملحوظ نہیں رہتا اگر ہر لفظ کا معنیٰ انفس میں ملحوظ رکھتے ہوئے الفاظ ورد زبان رہیں تو نور علےٰ نور ثابت ہوں گے الفاظ سے مقصد معنیٰ مصداق ہے اگر آپ کو یہ حاصل ہے تو پھر صرف الفاظ بلا معنیٰ رکھنا غیر ضروری معلوم ہوتا ہے اس میں اجازت کا کیا سوال ہے۔

امید کہ آپ بخیریت ہوں گے۔ خادم:۔ سید حسن

(۴)

حضرت مخدومی اضعف اللہ جلالہٗ

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

مراسلہ گرامی نامہ عرصہ کے مطالبہ قلبی وتردّد کو رفع کیا الحمدللہ۔حق تعالیٰ صعوبات جسمی روحی میں اپنی فضلی تجلی سے مدد فرمائیں۔آمین

دیکھئے ایک ہی ذات کے ۳/اعتبار ہیں یہ جملہ ہر وقت پیش نظر رہنا چاہئے۔دوسری ذات ہے کہاں؟ ایک ہی ذات سے مطلب یا مفہوم ایک ہی عالم۔اسی کا علم۔اسی کی معلومات۔تو بات صاف ہوئی کہ ایک ہی ذات کے (۳) اعتبارات۔عالم،علم،معلوم ہیں عالم علم وعمل ایک البتہ معلومات میں ۲/دو اعتبار ہیں ایک معلوم ذاتی۔دوسرا کونی، پہلا معلوم ذاتی سے مراد ان ہی کے اسماء وصفات ہیں۔جو ذاتی ہیں ازلی ہیں ابدی ہیں دوسرے کونی ہیں ان کے برابر دو حصے ہیں ایک مخلوق لطیف دوسرے مخلوق کثیف یعنی عالم خلق اور عالم امر ۔معلومات کے لئے لفظ ذات یا ذوات کہا جاتا ہے۔کیونکہ ان میں وجود ذاتی نہیں اللہ تعالیٰ کے لئے ذات ووجود دونوں استعمال ہوتے ہیں معلومات کثیر ہیں۔بہر صورت معلوم اور اُن کے ذاتیات،لوازمات،اقتضاءات،شاکلات،ان کو ہی معلومات کہا جاتا ہے۔ان ہی معلومات کے خالق اللہ پاک ہیں۔حضرت آدمؑ نے لفظ ربّنا میں درخت تک جانے کی ہر حرکت کی تخلیق کے من اللہ ہونے کا اعتراف فرمایا خود حرکت جس کو اپنی اقتضاء ذاتی سمجھتے تھے اس کو ظلمنا میں ظاہر فرمایا۔ہر حرکت قبول وجود وظہور کو تجدد امثال کہنا چاہئے۔تجدد امثال جو بالکلیہ تصوف کا اصطلاحی لفظ ہے لبس من خلق جدید سے تعبیر کیا گیا ہے خلقٍ جدید

میں وجود باری تعالیٰ شانہٗ بصورت معلوم جلوہ گر ہوتا ہے اور صورت کونی یا معلومات ہر آن بدلتے رہتے ہیں۔ وجود وہی رہتا ہے مگر بلحاظ شکل۔ اسی کے معنیٰ تجلی کو تکرار نہیں اور ذات کو انقلاب نہیں کے ہیں ایک ہی شکل وجود لئے ہوئے عرصہ تک قائم نہ رہنا مرادف، تجلی کو تکرار نہیں'' کے ہے اور ہر شکل میں وجود وہی بدستور رہنا اور شہود ہونا ''ذات کو انقلاب نہیں'' کے مترادف ہے۔

مولانا! ایک عالم ہے۔ دوسرا اس کا انفتاح۔ علم یا جاننا پن بظاہر انسانی اختیار میں معلوم ہوتا ہے انفتاح یا شرح صدر یہ فضلی احسان ہے۔ علم و علیم ان دونوں میں فرق وجدانی نہایت اہم وضروری ہے۔ بلا فرق کے ذات و اسماء میں تمیز ناممکن ہے دیکھئے علم توجہ قوت ادراکیہ کا نام ہے۔ علیم ایک لطیف اعتبار ہے۔ اَللّٰهُ لَطِيْفٌۢ بِعِبَادِهٖ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ ۚ اس نفس میں مسمّٰی کی توضیح معلوم ہوتی ہے۔ مقام عبدیت ہی میں اللہ کا مسمّٰی یا معنیٰ لطیف ہے اور عبدیت اس ادراک کا محل ہے سبحان اللہ یعنی وہ ایک لطیف الالطف ہونے کا ادراک ہے اسی ادراک لطیفہ کی واقفیت ہی علم قرب ہے اس مقام کی واقفیت قلبی گو سب کو ہے مگر نہونے کے برابر سمجھی جاتی ہے۔ واقعی ادق مقام ہے اس کو ایک مثال میں فرق کا موازنہ کیجئے۔ پانی اور شربت۔ ان دونوں میں مٹھاس ہے مگر پانی میں مِٹھاس لطیف اور شربت میں مٹھاس نہایت واضح۔

ہر قلب شربت کی مٹھاس کو فوراً محسوس کر لیتا ہے۔ مگر پانی کی مٹھاس کا احساس اس قدر واضح نہیں کر سکتا۔ علم میں شعور بمنزلہ شربت اور علیم میں غیر شعوری بمنزلہ پانی علیم میں ذات کا علم کسی طرح سلب نہیں ہوسکتا۔ اس کو علم حضوری سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

دیکھئے ہر انسان کو اپنی ذات کے ہونے کا علم (جس کا شعور نہیں رکھتا) لطیف علم ہے اور یہی علمِ ذات سمجھا جاتا ہے۔

کون انسان ہے جو اپنے ہونے کا علم نہیں رکھتا؟ ضرور رکھتا ہے مگر شعور نہیں علم میں معلومات کی وجہ سے تجدد ہے علیم میں نہیں۔ سنیما کے پردے پر دیکھا جاتا ہے کہ ایک شخص کمرے سے باہر آ کر کرسی پر بیٹھا کمرے سے باہر آنے اور کرسی پر بیٹھنے میں ہر حرکت کی تصویر فلم میں ہوتی ہے اور ہر حرکت کی صورت میں بجلی کا نور متمثل ہوتا رہتا ہے دیکھنے والے

ایک حرکت متعلقہ دیکھتے اور سمجھتے ہیں آپ اپنی ذہنی وتصوری مثال انفسی پر غور فرمائے جس میں سب سے واضح اور صاف نمونہ ہے اس میں تجدد امثال بھی ہے اور تحدد ذات بھی۔ آپ جب کبھی مرتبۂ خیال وذہن میں کسی شئ کو موجود کرتے ہیں تو اس میں ایک صورت شئ ہوتی ہے اور ایک آپ کا وجود ذہنی وجود ذہنی تو ایک ہی ہے اور آپ کا ہے البتہ متصورہ شکلیں بدلتی رہتی ہیں آپ کی ہر ارادت وتجلی میں وجود ذہنی اور شکل متصورہ دونوں ہوتی ہیں شکل تو علم کی ہوتی ہے اور شکل میں وجود ذہنی آپ کا۔ اب یہاں ذات پر نظر کے معنیٰ مشکل میں موجود کی ملحوظیت کے ہوں گے۔ شکل معلوم، موجود عالم، اس کے سوا کیا ہے؟

دیکھئے! عالم کی توجہ کبھی معلوم کی طرف ہوتی ہے اور کبھی خود اپنی طرف، عالم ایک ہے اس عالم کی توجہ دو طرف ہوتی ہے۔ ان توجہات کے دو نام ہیں۔ معلوم کی طرف جو توجہ ہوتی ہے اس کو شہود کہتے ہیں اور خود اپنی طرف جو توجہ ہوتی ہے اس کو یافت یا دوسرے لفظوں میں ظاہر و باطن، تو اب معلوم ہوا کہ عالم ہی ادراک واعتصام ومجاہدہ معتبر ومقصود ہے۔ معلوم و علم دونوں اسی عالم کی باطنی چیزیں ہیں ان علمی توجہات کو اپنے وجدان و یافت پر جسکا نام عرفان ہے مصدق فرمائے۔

آپ کی صورت ہے اور اس صورت میں اسی کا علم ہے جس کو خواہش یا ہوٰی سے تعبیر کیا جاتا ہے اور پھر سبحان اللہ وبحمدہٖ اسی علم وصورت کا عالم ''انا'' ہے انا میں علم ملحوظ رہتے ہیں صورت غیر ملحوظ۔

انا وعلم وجودی اعتبار ہیں اور صورت غیر وجودی۔ معلوم عالم کے علم میں ثابت ہے۔ معلوم میں علم کہاں؟ وجداناً علم وعلیم ہی نقدم ہیں۔ اس علیم پر ذات ومسمّٰی کو مصداق بنائے مگر یہ فرق ظاہر و باطن مقید ومطلق۔ اب کیا کہنا ہے بس علم وعلیم وجدان میں ہیں صورت میں چونکہ یہ اعتبارات ہیں اور صورت غیر ہے اس غیریت کی وجہ سے امانت ذات الوہیت کو انسان نے جہلاً اپنا سمجھا اور اس غلط فہمی کو رفع کرنے کے لئے انبیاء مبعوث ہوئے لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہ

فضل کبیر تو دیکھئے کیا آپ خود نفی واثبات کرتے ہیں یا صورت سے یہ اعتبارات خود

منفی ہیں یا صرف صورت معلوم کا علم دیکر آپ کے علم کی صحت کی گئی ہے؟ اس کو یوں تفکر فرمائے کہ جب آپ اپنی ذات کا تصور فرماتے ہیں کہ، میں ہوں، تو کیا اس ادراک کے وقت آپ کی صورت بھی اس ادراک کے ساتھ لگی رہتی ہے؟ ہرگز نہیں رہتی صرف اپنے ہونے کا علم رہتا ہے۔ واہ!

سبحان اللہ وبحمدہ صلے اللہ علی النبی الامی!

اس لئے کہ انا کو صورت کہاں؟ پس کمثلہٖ تو اُن کی شان ہے پس معلوم ہوا کہ حقیقت میں تجلّی ہی توحیدی ہے دعوت صرف صحت علمی کی ہے۔ پہلی دعوت صحت علم یعنی دین۔

دوسری دعوت صحّت علیم، وجود وانا یعنی قرب ونعمت، پہلی دعوت پر انسان مکلف اور دوسری پر غیر مکلف۔

۵

یکشنبہ ۱۱ ساعت دن ۲۶ ؍ دسمبر ۱۹۵۳ء چنچل گوڑہ

عزیز و محترم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

بہت عرصہ کے بعد خط وصول ہوا۔ کیفیات معلوم ہوئیں یہ اللہ کا فضل ہے کہ آپ اور آپ سے نسبت رکھنے والوں کے لئے دعا کا تسلسل جاری ہے حق تعالیٰ ان میں برکتیں دیں آمین۔ خط پڑھنے سے بھی ان برکتوں کے آثار معلوم ہوئے اَللّٰھُمَّ زِدْ فَزِدْ۔ یاد و غفلت یہ احوال ہیں۔ اللہ یقبض وَیَبْسُطُ۔ اس آیت کے تحت کیفیات انسان پر ہوتے ہیں اور یہی تربیت ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو ان احوال سے مقام تک پہونچا دے آمین۔

کندرگ کے رہنے والوں کو اُن کے حال پر چھوڑ یئے ظاہر میں علم نہیں لیکن تدریجی کوشش جیسی جاری ہے ویسی رکھئے اور غائب میں حق تعالیٰ سے دعا فرماتے رہیئے یہی احکام نبوت ہیں جو کچھ بھی خیر و برکتیں ہو رہی ہیں صرف فضل ہے اور کام میں متوجہ رہیئے۔ میری حالت بدستور ہے مگر الحمد للہ تھوڑی بہت توانائی معلوم ہوتی ہے اس فضل کے بعد سے ہر اتوار کو لوگ گھر ہی پر جمع ہو رہے ہیں اور بحمدہ کام جاری ہو چکا ہے۔ باہر ابھی کام کا پھیلاؤ نہیں ہے جو انشاء اللہ ہوگا۔ ظاہر میں تفہیم اور باطن میں توجہ یہ حضوؐر کی خاص شخصی اتباع ہے اللہ اس میں برکت دے۔ مکان میں درد کم ہے ضعف اور پستی بہت زیادہ ہے اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ان فضلی آزمائشوں سے فضل کی طرف متوجہ رکھے۔ یحییٰ صاحب کی استقامت آپ کی ظاہری و باطنی توجہ کا نتیجہ ہے۔ اللہ آپ پر اپنا فضل فرمائے۔ گذشتہ ایک ہفتہ میں محبوب نگر اور جڑچرلہ کے کچھ لوگ آئے تھے ان کی زبانی کیفیت معلوم ہوئی الحمد للہ ان سے اچھی افہام و تفہیم رہی اللہ تعالیٰ توفیقِ حسنِ عمل دے۔ آمین

خادم سید حسن

⑥

اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے آپ کو صحت و عافیت میں رکھے۔ اور علم حق کی پیشکشی علم حق ہی میں کرائے نفس و ہویٰ شامل نہ رہیں۔ اس مقام کو وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ﴿۳﴾ کہا جاتا ہے۔ علم نفسی تفہیمات الٰہیہ میں شامل نہ ہو بعض اوقات لوگ ان تفہیمات میں الجھ جاتے ہیں نفس معراج میں جو علم حق ہے اس کو عقول انسانی سمجھنے سے قاصر رہتی ہیں۔ یہ ان کی قلّت استعداد و استطاعت ہے۔ یہ مسئلہ کتاب وسنت میں واضح نہیں ہے بلکہ ساکت ہے صحابہؓ میں دو جماعتیں ہیں ایک جماعت کہتی ہے کہ جسمانی معراج ہوئی دوسری کہتی ہے نہیں روحانی معراج ہوئی اس کی تفصیلات کتاب وسنت میں نہیں ہیں اس کے باوجود فقراء کو اس معراج کی حقیقت معلوم ہوئی ہے وہ علم حق کے حدود میں وجدان نفس سے پیش کرتے ہیں اور باقی لوگ ظاہر کتاب وسنت کے حدود میں۔ عوام ایسی فہم سے دور ہیں۔ بہر حال گہرے علوم عوام کے سامنے پیش کرنے سے احتراز اولیٰ ہے۔ اگر پیش کیا جائے تو تحت کتاب وسنت ہو تا کہ قلوب الجھنوں میں نہ پڑیں۔ سامعین مقرر کی تقریر سے استفادہ کرتے ہیں۔ اگر ان میں کوئی الجھن پیدا ہو جائے تو آئندہ سننے کا اعتماد باقی نہیں رہتا۔ معراج کا بیان ضمنی ہے اصل تفہیمات کلمۂ طیبہ اور نفوس انسانی ہیں یہ جم جائیں اور ان پر عمل ہونے لگے تو ظنّیات ضمناً نفس میں واضح ہو جائیں گے۔

اللہ پاک کا بہت بڑا احسان ہے کہ آپ سے متعینہ مقامات پر کام لئے۔ سامعین کو اللہ پاک علمی و عملی توفیق دے۔ آمین۔ اختلافی مسائل کا علم نفسی (نفسانی) ہوتا ہے جہل ہی

کی وجہ سے انسان اختلاف کرتا ہے۔علم حق میں چونکہ علم ہی علم ہوتا ہے وہاں اختلاف کی گنجائش نہیں۔اللہ میں علم ہی علم ہے وہاں جہل کی گنجائش ہی نہیں وہاں خلاف وعدگی کہاں متعلق ہوسکتی ہے لَا یُخْلِفُ الْمِیْعَادُ اپنے اندر یہ لطیف مفہوم رکھتا ہے۔یحییٰ صاحب کو سلام سُنایئے اب یہ کہاں تک علم میں ترقی کئے ہیں انہیں ان کی استعداد کے اعتبار سے لے جایئے ورنہ قلب آگے بڑھنے سے قاصر رہے گا۔تفہیمات کے موقع پر یہ ادب ملحوظ رہنا چاہئے کہ جو چیز بیان کی جائے وہ عامۃ الناس کے عقل وفہم کے مطابق ہو اس کے برخلاف وہ ترقی نہ کرسکیں گے جب تک آپ کا مزاج بالکل نارمل نہ ہوآنے کی کوشش نہ فرمایئے۔چار مضامین جن کی نقل آپ کے پاس ہے سامعین ان مضامین کو طبع کرادینے پر مصر ہیں جس میں کثیر مصارف ہوں گے۔نفس انسانی قرآنی روشنی میں کافی نمایاں ہوگیا ہے اس نے اپنے فضل سے لکھوایا ہے وہی اگر ضرورت ہو تو اسباب مہیا فرمادیں گے لکھنے ہی میں ارادت نہیں تو اس کے طبع کرانے میں ارادت کی کیا گنجائش۔لہٰذا میں خاموش ہوں۔جو وہ کریں گے خیر ہی ہوتا ہے۔

خادم ۔سید حسن

⑦

۱۔ الحمد للہ رب العالمین۔ وصلی اللہ علی النبی الامّی۔

جزاء تبلیغی!

① وَاِنَّ لَكَ لَاَجْرًا غَيْرَ مَمْنُوْنٍ ۝۳ تبلیغ خدمات محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے اس سے بڑھ کر کوئی عمل نہیں۔ سنئے وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَآ اِلَى اللّٰهِ جب حق تعالیٰ احسن قول فرماتے ہیں اور آپ انجام دے رہے ہیں اور اسی کے مصداق ہیں تو اس سے بڑھ کر کیا عمل ہے اللہ پاک مبارک فرمائے اس کی تبریک میں کیا شک ہے اللہ تعالیٰ آپ کے شرح صدر میں برکت عطا فرمائے اصل اخلاص ہے اخلاص کے بعد سب کچھ حق تعالیٰ فرما دیں گے آپ فکر نہ فرمائے۔

② قبض و بسط احوال ہیں ابتلاء اسلئے ہے کہ قلب مومن کہیں احوال میں پھنس نہ جائے تعقل اور وجدان یعنی واقعہ نفس الامری دونوں جُدا ہیں تعقل میں علمی حیثیت رہتی ہے اور وجدان و تحقیق میں عمل۔ علم و عمل دونوں کا مرتبہ عند اللہ ہوتا ہے مگر عمل کو فضیلت ہے مجاہدے سے عملی حیثیت درست اور صحیح ہو جاتی ہے۔

③ آپ پر واضح رہے کہ ہر انسان کی استعداد مختلف ہوتی ہے بعض میٹرک پڑھ کر رہ جاتے ہیں اور بعض ایف اے، بی اے، ایم اے وغیرہ تک ترقی کرتے ہیں اور بعض درمیانی مقامات میں ٹھہر جاتے ہیں اسی طرح سلوک روحی میں بھی استعداد کا مسئلہ اہم ہے۔ شریعت نے بھی صالحین کی حد تک مکلّف بنایا ہے شہداء و صدیقین

کے لئے مکلّف نہیں بلکہ شوق دلایا گیا ہے۔

④ (حضرت کے احوال کا علم ہونے پر فرمایا) الحمدللہ فضل ہے جو حق تعالیٰ کام لے رہے ہیں یہ قطعاً معلوم نہیں کہ کس سے کیا کام لیں گے لوگوں کے احوال میں شدت کی طرف رجوع نہ فرمائیے۔ بچہ دودھ ہضم کرتے کرتے غذا پر آتا ہے جس قدر غذا معدہ ہضم کر سکے دیتے جانا ربوبیت ہے۔

⑤ نصوص قرآنیہ سے متعلق رہنے کی کوشش کی جائے۔ جو عین ادب شریعت ہے حضور سراپا علم حق کی تجلّی ہیں وہیں سے علم کا فیضان ہے یہ نسبت جس قدر قوی ہوگی انفتاح ہوتا رہے گا۔ محبت بڑھائے لا الہ الا اللہ ظاہر بصورت محمدؐ رسول اللہ ہے تو ہر صورت اور اس کے۔ مقتضیات تجلّی الوہیت سے ظاہر ہوں گے۔

⑥ عدلی ارادات کا نام قضا ہے اور فضلی ارادتوں کا نام اقتدار ہے۔ ابتلاء کا دوسرا نام تعطل مقتضیات انسانی ہے جو تحت قدر ہیں۔

⑦ دین و نعمت کی انتہائی یافت ارض و سماء میں جتنے انسان رہتے ہیں یہ سب کے سب کنفسٍ واحدہ کے تحت جذب ہو جائیں اور نفسِ انسانی اپنے نفس کو تمام انسانوں کا نفس واحدہ سمجھے۔ جس نفس واحدہ میں انسان ضم ہو جائیں اِلٰہ واحد کھل جاتا ہے۔

بنی آدم اعضاء یکدیگر اند

یہی ایک دعوتی کلمہ ہے اور سب سے زیادہ زور الٰہ کے سمجھنے اور الٰہ واحد کے ماننے پر جس کے لئے انسان مکلف ہے۔ اللہ کو تو سب ہی مانتے ہیں، اللہ کا منکر کوئی نہیں۔ اللہ کے بہ زعم خود انکار سے بھی اللہ کا ہونا ہی ثابت ہوتا ہے۔

اعتبار الٰہ: موجودیت، موصوفیت، فاعلیت اور مالکیت و حاکمیت ہیں۔ ان سب کو مجموعاً الوہیت سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ تفصیلات علم رسالت میں مندرج ہیں جو بذریعہ وحی بصورت قرآن والفرقان۔ مکتوب رحمن موسومہ انسان، روحی فدا نبی کریم ﷺ پر نازل ہوا، جس سے لازم ہے کہ ہر انسان کما حقہ استفادہ کرے تا کہ اس کی دنیا بھی اچھی ہو اور دین بھی اچھا ہو کیونکہ یہی فوز عظیم ہے۔

اِنسَانْ

مجھے آپ سے نفس انسانیت کے مفہوم اور اس کی تعلیم و تربیت پر کچھ سمجھنا ہے۔ اجسام پر حکومت کرنا بادشاہت ہے۔ دنیا نے بادشاہت کو جمہوریت سے بدل دیا ہے۔ نظام عالم اب اسی کے تحت ہے۔ ہر مملکت اپنے حدود ارضی میں رعایا پر حکومت کرتی ہے یہ حکومت چند عہدوں کے توسط سے جاری رہتی ہے مثلاً وزراء، معتمدین، نظماء، تعلقداران، تحصیلداران اجرائے حکومت میں اس کے (Hands) ہوتے ہیں۔ ان عہدوں میں حکومت سے کچھ اقتدارات ملتے ہیں۔ ان اقتدارات سے عہدیدار رعایا و برایا کے حقوق میں تصرف کرتا ہے۔ مجھے اس تصرف عہدہ دار میں یہ پوچھنا ہے کہ عہدہ دار اپنے اقتدار حاصل کو جو حکومت سے ملا ہے کیا اپنے ارادہ ذاتی یا مرضی سے رعایا پر استعمال کرتا ہے یا اقتدارات کا محل تصرف بھی حکومت کے مقرر کردہ قانون کے تحت ہوتا ہے۔ مشاہدات روزمرہ کے اعتبار سے یہ کھلا علم و عمل ہے کہ عہدہ دار کو جو اقتدار ملا ہے اس کا اپنا نہیں بلکہ حکومت کا ہے اور اس کا محل تصرف بھی حکومت کا مقرر کردہ یعنی حکومتی ہوتا ہے جس کو قانون یا دستور کہتے ہیں۔

اس تفہیم سے یہ ظاہر ہوا کہ اقتدار اور محلِ تصرف عہدہ دار کے ذاتی نہیں۔ اس مفہوم کو سمجھنے کے بعد لا الہ الا اللہ کے مفہوم پر کافی روشنی پڑتی ہے۔ انسان میں بھی جو اقتدار و تصرف ہے اس کا اپنا نہیں ہے۔

اگر عہدہ داران اقتدارات کو اپنی ارادت اور مرضی سے استعمال کرے تو وہ نافرمانی اور غاصبانہ حکومت سمجھی جائے گی جو اس شخص کے لئے مستوجب سزا اور احتساب ہوگی۔ جب

ان عملی مشاہدات کا ہر شخص قائل ہے تو بات صاف ہوگئی۔ اس کے بعد ان اوقعات کے مشابہہ ایک پہلو ہے جس کا نام دین اسلام ہے۔ اس میں بھی اسی طرح کی مشابہت پائی جاتی ہے۔ کیا آپ یا اور کوئی انسان جو ارض وسماء میں رہتا ہے یہ بتا سکتا ہے کہ اس نے اپنے جسم کے کسی عضو کو بنایا اس جسم میں جو قوتیں ہیں وہ اس کی اپنی ہیں اور ان اجسام انسانی کی نشو ونما کے لئے جو کچھ کہ ارض وسما انسان کا اپنا بنایا ہوا ہے تو پھر انسان ایک ہی جملہ میں اپنا فہم پیش کرے گا کہ انسان اور دوسری مخلوقات اور ان تمام مخلوقات کے اندر کی تمام توانائیاں یا دوسرے الفاظ میں اقتدارات جو پائے جارہے ہیں اور جن پر انسان متصرف ہے قطعاً ان میں سے ایک بھی اس کی اپنی نہیں بلکہ وہ خود اور پوری کائنات بھی کسی کے زیر ارادت مخلوق ہورہی ہے مگر اس کے برخلاف انسان اپنے پر اور پوری کائنات پر غلط علم سے من مانے تصرف کرتا ہے جس کا نام نفس وہویٰ ہے۔

اب کہیں جامعہ انسانیہ یا اسلامیہ نہیں ہے اور نہ دین کی تعلیم وتربیت بلکہ اسلام صرف ایک قومیت کی حیثیت سے ہے اور اس قومی نظریہ میں بھی عبادت کا مفہوم بگڑا ہوا ہے۔ اگر کہیں ہے تو صرف نماز، روزہ کی حد تک وہ بھی آج کل شاذ ونادر اب اگر ہم غور کریں تو صاف ہوگا کہ افراد انسانی اس عالم کے عہدہ دار اور ان کے اندر کی توانائیاں اقتدارات کے مشابہہ ہیں۔ اور انسان جو تصرف کررہا ہے وہ پوری توانائیوں کو اپنی ملک سمجھ کر جیسا جی چاہتا ہے ویسا موجودات عالم پر استعمال کرتا ہے تو معلوم ہوا کہ انسان کا ایسا سمجھنا غلط ہے۔ اس لئے عمل بھی غلط ہے۔ اس وجہ سے انسان اپنے جملہ حوائج میں حیرانیوں اور پریشانیوں میں مبتلا ہے۔ کتاب وسنت صرف انسان ہی کے لئے اصلاحی علوم کی حامل ہیں لہذا ان ہی علوم کے تحت نفس وہوی انسانی صحیح ہوجائیں تو انسان کا علم وعمل بھی صحیح ہوجائے گا۔ اب ہر انسان چونکہ خلیفہ ارضی ہے اور اپنی قوتوں کو ہر آن صرف کئے بغیر اس کی انسانیت رہ نہیں سکتی لہذا عمل سے پہلے اسی عمل کے علم کو سمجھنا چاہئے اور سمجھنے والی ذمہ دار شخصیت نفس انسانی جس کو جی کہتے ہیں وہی مکلف ہے۔ وہ ایسی غیر معمولی شخصیت ہے کہ اس کی ہر حرکت محفوظ ہے چنانچہ

سائنس نے اپنے تجربوں سے صاف اور واضح کر کے ہمارے مشاہدہ میں لا دیا ہے کہ انسان جب تقریر کرتا ہے تو اس کی تقریر محفوظ رہتی ہے جس کو اخذ کر کے ریڈیو ہر جگہ پھیلا دیتا ہے۔ اگر یہ تقریر کہیں محفوظ نہیں تھی کس طرح اس کو اخذ اور نشر کیا گیا دوسرے یہ کہ انسان کی وسعت قلبی بھی ہمارے سامنے ہے کہ وہ جہاں ہو وہاں بیٹھے بیٹھے اور ممالک کے مقامات کو جو اس کے دیکھے ہوئے ہوں اب بھی ویسے ہی دیکھ سکتا ہے جیسے بیٹھے ہوئے کمرے کی چیزوں کو یہ وسعت قلبی کم وبیش سب میں ہے۔ ایسا انسان اپنی فضیلتوں اور عالم پر متصرفانہ قوتوں کے باوجود اپنے کو صرف قوائے حیوانیہ یعنی کھانا، پینا، جننا پالنا وغیرہ کی حد تک محدود سمجھ رکھا ہے۔ وہ کسی انسانی یونیورسٹی میں سبق انسانیت کو پڑھے اور سمجھے بغیر اپنے آپ کو استعمال کر رہا ہے۔ واقعہ نفس الامری میں انسان بطن مادر سے جہل لے کر آیا تھا۔ اس نے جیسے جیسے عمر بڑھی علوم وفنون سیکھے اور سمجھے اور ان کے واسطہ سے اکتساب معاش کی طرف متوجہ ہو گیا۔ اس کا آنکھ بند کر کے جہلاً اقتدار پر من مانے تصرف کرنا موجب فساد بن گیا۔ چنانچہ اس وقت پوری دنیا مختلف تکالیف کا منبع بنی ہوئی ہے۔ اگر وہ دیگر علوم وفنون کی طرح انسانیت کو سمجھتا تو مصروفیت جہلی اٹھ جاتی اور واقعی انسان ہو جاتا اور ایسا علم صحیح علم ہے اور اس کا ثمرہ صحیح عمل ہوگا۔ ایسے علم کے دوسرے لفظوں میں اطاعت اور فرمانبرداری کہا جاتا ہے۔ اطاعت وفرمانبرداری، افسر کے احکام کی تعمیل کا نام ہے۔ احکام سمجھے بغیر اطاعت متعلق نہیں ہوتی۔ بہر حال انسان رسالت محمدیہ سے انسانیت کا پورا فن سیکھے اور سمجھے تو اس کے اقتدارات کا استعمال اور ان کا محل تصرف بھی صحیح ہو جائے گا۔ اور یہ دنیا جو محل ٹریننگ ہے صحیح عمل سے آراستہ ہو کر آخرت میں وَلِكُلٍّ دَرَجٰتٌ مِّمَّا عَمِلُوْا ط کا مصداق بن جائے گا۔ اللہ پاک ہمیں امر الٰہی کی تعمیل اور اتباع سنت کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

صَلَّی اللّٰہُ عَلَی النَّبِیِّ الْاُمِّیِّ

دُعا سے متعلق

لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ط - آس مت توڑو اللہ کی مہربانی سے۔ (زمر:۵۳)

اللہ تعالیٰ قادر مطلق اور غنی ہیں۔ بندہ، عاجز اور محتاج حق سبحانہ تعالی خالق رب اور الہ ہیں۔ بندہ مخلوق، مربوب اور مالوہ، بندہ محتاج اور اللہ غنی ہیں بہ اعتبار احتیاج وغنا یہی نسبت ہے کہ بندہ مانگے اور اللہ دے۔ اللہ تعالیٰ تو بے مانگے دیتے ہیں اور پھر مانگے اور اللہ نہ دے ایسا نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ تو بے مانگے دیتے ہیں اور پھر مانگنے پر درخواست رد ہونے کی مایوسی کا تصور ہی کیسے پیدا ہوسکتا ہے۔ بندہ کی ہر مانگ اور ہر طلب بارگاہ ایزدی سے قبولیت سے سرفراز ہوتی ہے۔ اس پر یقین، تقویت ایمان کا موجب اور عین واقعہ کے مطابق بھی ہے۔

مشاہدہ میں البتہ یہ بھی نظر آتا ہے۔ کہ ایک شخص نے کچھ مانگا اور وہ اس کو نہیں ملا یہ صحیح ہے لیکن ایسا ہونا رد دعا یا منافی قبولیت نہیں ہے۔ اس بارے میں ایک مثال سے پوری تشفی ہوسکتی ہے۔ ایک بچہ ہے جو اپنے باپ کے زیر ربوبیت اور اس کو بہت پیارا ہے۔ یہ بچہ مبتلائے عرقان ہے اور پلاوزروہ کھانا چاہتا ہے باپ اپنے بچہ پر ہر آن متوجہ ہے اور اس کی ہر خواہش کو پورا کرنا چاہتا ہے۔ لیکن باوجود بچہ کے اصرار اور ضد کے اس کو پلاوزروہ نہیں کھلاتا کیونکہ جانتا ہے پلاوزروہ اس کے حق میں بہ وجہ مرض خوراک نہیں بلکہ زہر ہے۔ اس لئے پلاوزروہ بچہ کو نہیں دیتا اور نہیں دینا چاہئے۔ اگر دیگا تو باپ دشمن نہیں قرار پائے گا۔ باپ کے

تقاضائے محبت کا اگر جائزہ لیجئے تو معلوم ہوگا کہ پلاوزردہ تو وہ اس کو نہیں کھلاتا مگر اس کو کوئی عمدہ میوہ جو اس کے مرض میں مفید ہو یا کم از کم مضر نہ ہو کھلاتا ہے یا کوئی اچھا اس کی پسند کا کھلونا لا دیتا ہے۔

یہ بالکل ظاہر و واضح ہے کہ باپ کا بچہ کا مربوب کو دینا نہ دینا کلیۃ خود بچہ اور مربوب کے نفع ونقصان اور فائدہ وضرر پر منحصر ہے۔ بلاشبہ حق سبحانہ تعالیٰ جو علیم وخبیر ہیں جب کسی کی مانگی ہوئی چیز کو اس کے حق میں مضر جانتے ہیں تو وہ اس کو نہیں دیتے یا مانگتے ہی دینا نقصان دہ ہوتا ہے تو بھی نہیں دیتے البتہ پھر بعد میں دیتے ہیں مگر ہر صورت میں دیتے ضرور ہیں اور دعا کا قبول ہونا برحق یعنی اللہ تعالیٰ بندہ کو جو مانگے وہ دیتے ہیں یا تو دعا کے ساتھ ہی یا دیر سے اور اگر مانگی ہوئی چیز اس کے حق میں مضر ہے تو کوئی دوسری چیز بہتر نعم البدل عطا فرماتے ہیں حتی کہ اگر کوئی بندہ ناقص اور بے استعداد کسی بھی چیز سے تمتع کے قابل ہی نہ ہو تو اس کو اپنی اس محرومی پر فتح وغلبہ پانے یکسوئی اور اطمینان قلب جیسی نعمت سرفراز کر کے مسرت بے کراں بخشتے ہیں۔

غرض کہ الحمد اللہ علی احسانہ، اللہ تعالیٰ ہر دعا قبول فرماتے ہیں، جو مانگے دیتے ہیں۔ فوراً یا دیر سے۔ کم مانگو زیادہ دیتے ہیں۔ اسباب راحت مانگو راحت دیتے ہیں ادنیٰ مانگ اعلیٰ دیتے ہیں۔ مگر یہی کہ بندہ مانگے اور اللہ ہی سے مانگے۔

اَمَّنْ يُّجِيْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاهُ (النمل:۶۲) بھلا کون پہونچتا ہے بے کس کی پکار کو جب اس کو پکارتا ہے۔

ذکر و فکر

اس زمین و آسماں میں ان گنت کائنات یا مخلوقات ہیں۔ انکے منجملہ انسان بھی ایک مخلوق ہے۔ پوری کائنات میں ایک انسان ہی قابل تذکرہ ہے۔ لہٰذا ہم اسی ایک انسان کے اندرونی حالات پر غور کریں تو جملہ انسان بلکہ جملہ مخلوقات کھل کر سمجھ میں آجائیں گے۔ ایک انسان کو سمجھنا پوری مخلوقات کو سمجھنے کے برابر ہے۔ اسلئے ہم ایک ہی انسان پر غور کریں گے۔

انسان میں دو چیزیں مشترک ہیں ایک جسم دوسری روح یہ دونوں علیحدہ علیحدہ پائے نہیں پائے جاتے جسم بغیر روح کے اور روح بغیر جسم کے نہیں پائی جاتی بلکہ دونوں ملکر پائے جاتے ہیں۔ جسم میں جب روح ڈالی جاتی ہے تو جسم کے جملہ اعضاء جوارح اپنے وظیفہ طبعی میں مصروف ہوجاتے ہیں جس طرح کان محل سماعت، آنکھ محل بصارت ہے اسی طرح جملہ اعضاء و جوارح اپنی اپنی قوتوں کے محل ہیں اور مصروف ہیں۔ ان میں ایک مقام قلب کا بھی ہے یہی محل علم و فہم ہے۔ ہم اس مقام پر انسانی مصروفیات کو سمجھ رہے ہیں قلب محل علم ہے انسان اس دل میں جس کا دوسرا نام محل خیالات کا مستغرق ہے۔ اس دل میں انسان کے لوازمات جسمی اور ان کی فراہمی کے تفکرات رہتے ہیں مثال کے طور پر روپیہ کی فکر معاش کی فکر، کھانے پینے کی فکر، صحت و عافیت کی فکر، متعلقین کی فکر، غرض کہ ہر فکر انسان کو اپنی طرف ہر آن متوجہ رکھتی ہے وہ اس میں اتنا گھرا ہوا رہتا ہے کہ کسی آن اس مقام سے ہٹنا اس کے اپنے بس کی بات نہیں۔ یہ ایسی صحیح بنیادی بات ہے کہ کوئی انسان سے اس سے اختلاف کرنا تو درکنار خود اسی میں مبتلا ہے۔ یہاں یہ رشتہ و تعلق بھی واضح ہوجاتا ہے کہ انسان کو جن حوائج جسم کی فکر ہے وہ ارض و سماء میں موجود ہیں، غیر موجود کا مطالبہ یا خواہش نہیں ہے۔ اس کے لئے

یہاں اس قدر علم ضروری ہے کہ انسانی جسم کی تخلیق سے پہلے پوری کائنات کی تخلیق سے پہلے پوری کائنات کی تخلیق کئی ہزار سال قبل "فِیْ سِتَّةِ اَیَّامٍ" ہوئی۔ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا ۚ سے یہی بات سمجھائی جارہی ہے۔ یہ پوری کائنات انسان ہی کے جسمی نشوونما کے لئے بنی ہے جو انگنت اور بے شمار ہے جس سے معلوم ہوا کہ حوائج انسانی کی بھی گنتی نہیں۔ اور غیر محدود کائنات غیر محدود حوائج انسانی کے لئے ہے پس ان دونوں چیزوں کو ملانے اور غور کرنے سے انسان کی تعریف ''مجموعہ حوائج'' نکلتی ہے۔ یہی وجہ ہوسکتی ہے کہ انسان اپنے حوائج بشری کی تکمیل کرنے والی اشیاء کی طرف متوجہ رہتا ہے جن سے اس کا اپنا ایک سائنٹفک رشتہ یا تعلق ہوتا ہے۔ ان توجیہات سے یہ بات واضح ہوچکی کہ دل محل تفکرات ہے اور نظام جسمانی کے قائم رکھنے کی فکر اس کا کسی حال میں پیچھا نہیں چھوڑتی۔ اب یہاں یہ امر بھی غور طلب ہے کہ انسان کے جی میں جو خیالات پیدا ہوتے ہیں وہ اس کی اپنی ارادت سے پیدا نہیں ہوتے بلکہ خالق ارض وسما جس نے کائنات کو انسان سے پہلے تخلیق فرمایا ہے وہ خود ہی انسان کے دل میں اس کے خیالات بھی پیدا کرتا ہے اور یہ خیالات مخلوقات ہی کے توسط سے آتے ہیں جو اس کے اپنے پیدا کردہ نہیں ہوتے۔ مثلاً کھانا پینا، روپیہ، پیسہ، اقتدار، اولاد، شادی بیاہ اور صحت وعافیت وغیرہ۔ غرضیکہ یہی خیالات انسان کو اپنی طرف جذب کرتے ہیں اور انہی میں وہ منہمک رہتا ہے۔ یہ بات بالکل روزمرہ انسانی عملیات میں واضح ہے کہ انسان کا دل انہی مخلوقات کے ذکر میں لگا ہوا ہے۔

دینی سلاسل میں کوشش اس امر کی کی جاتی ہے کہ یہ دل جو محل تفکرات جسمی (ذکر مخلوق میں) ہے، وہاں ذکر الٰہی قائم کیا جائے۔ ابتداً جب اس دل میں ذکر الٰہی بٹھانے کی کوشش کی جاتی ہے تو یہ دل مبتلائے وساوس ہوتا رہتا ہے حتیٰ کہ اس پر قابو پاتے پاتے برسوں میں وساوس بند ہوتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کا ذکر اسمی کیا نفس میں کیا دل میں بلکہ ہر رگ وپے میں جاری ہوجاتا ہے اور یہ اجراء ذکر غیر معمولی مشقتوں، محنتوں اور ریاضتوں سے ہوتا ہے۔ یہی سلوک ولایت ہے۔

اگر ہم اس ملکہ قلبی کو جو محل ذکر وفکر کائنات ہے اس کے خالق کے بھیجے ہوئے علم میں جس کا دوسرا نام رسالت ہے متوجہ رکھیں تو بہت آسانی سے یہ ذکر خلق ذکر حق میں مبدل ہوسکتا ہے۔ یُرِیْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْیُسْرَ وَلَا یُرِیْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ ۚ حق تعالیٰ انسان کے لئے

آسانی چاہتے ہیں مشکل نہیں۔ اگر کوئی مشکل مصلحتاً انسان پر ڈالی جاتی ہے تو اس کا بار بھی وسعت انسانی پر رکھا گیا ہے۔ لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَھَا ط اس انسانیت کے حل کو لَقَدْ اَنْزَلْنَآ اِلَیْکُمْ کِتٰبًا فِیْہِ ذِکْرُکُمْ ط میں ملاحظہ فرمائیے۔ جو اسی انسان کا موسومہ خط ہے۔ خط کی یہی تعریف وتوصیف ہوسکتی ہے کہ خط لکھنے والا جس کو خط لکھتا ہے اس میں اسی کا ذکر کرتا ہے۔ چنانچہ حق تعالیٰ کا کلام قول ہے اور یہ پوری کائنات اللہ کا فعل ہے تو قول کو فعل میں ملاحظہ فرمائے کہ الم سے والناس تک اسی انسان کے جسم وروح کا ذکر ہے۔ روزمرہ زندگی میں انسان اپنے حوائج بشری میں مبتلا رہتا ہے۔ مثلاً کھانا پینا' نہانا دھونا وغیرہ اگر سارے افعال بشری کو قول الٰہی جل شانہ، میں تلاش کریں تو وہ سب کے سب اس میں مل جائینگے خواہ اچھے ہوں یا برے۔ اس مطابقت قرآنی وانسانی سے واضح ہوتا ہے کہ انسان کا دل محل تفکرات ہے اور اگر یہی ذکر وفکر جو نفسی ہے قلبی ہوجائے تو یہی تبدل اصل انسانی ہے۔

نری روحانیت ملکیت اور نری جسمانیت حیوانیت ہے اور دونوں کو باہم جمع کرنا انسانیت ہے یا دوسرے لفظوں میں نہ تو انسان فرشتہ ہے اور نہ شیطان بلکہ دونوں کا مرکب۔ گناہ نہ کرنے کا نام ملکیت اور گناہ کے بعد اس پر اصرار شیطانیت ہے حق تعالیٰ نے انسان نما حیوان کو کالانعام فرمایا۔ اور انسان کو تاج خلافت عطاء فرمایا۔ لہٰذا فکر قلبی ہی کو ذکر الٰہی بنانا انسانیت کے قریب تر ہے۔ یہاں اس قدر تعلیم دینی کافی ہے کہ انسان اپنے جی میں جن خیالات کے توسط سے حوائج جسم کی تکمیل چاہتا ہے اور جو اس ارض وسماء میں خَلَقَ لَکُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا ۚ کے ارشاد میں شامل ہیں۔ وہ چیزیں کیا خود انسان کی بنائی ہوئی ہیں؟ یا اس کی اپنی چیزیں ہیں؟ کیا خود اس کا جسم اور اس جسم اور اس جسم کے سارے اعضاء خود اس کے بنائے ہوئے ہیں؟ کیا جسم انسانی میں جو قوتیں ہیں وہ اس کی بتمامہ (تمام کی تمام) اپنی ہیں جو انسان کے زیر تصرف ہیں؟ تو ان تمام سوالوں کا ایک ہی جواب ہے کہ انسان نے نہ تو کائنات کو بنایا ہے نہ اپنے جسم کو نہ جسم کے اعضاء وجوارح کو اور نہ ان کے اندر کی قوتوں کو یہ بھی انسانی مشاہدہ ہے کہ کسی بنانے والے کے زیر تصرف پائی۔ خاک۔ موسم۔ پھل۔ غذائیں۔ اجناس وغیرہ بنے جارہے ہیں جو انسان کے استعمال میں ہیں۔

انسان اپنے جی میں بلا انکار اس کو مانتا ہے کہ یہ پوری چیزیں میری اپنی مخلوق نہیں ہیں بلکہ خالق ارض وسماء کی ہی بنائی ہوئی ہیں جو میرے زیر استعمال ہیں۔ تو اب اس سے واضح ہوا کہ آفاق میں پوری کائنات اور انفس میں پورے اعضاء و جوارح سارے جذبات، حواس وقوی (خواہشات نفس) جہاں تک لفظ مخلوق کے تحت آتے ہیں ان میں کوئی چیز بھی میری اپنی نہیں بلکہ تمام اللہ سبحانہ تعالیٰ کی ہی ہیں۔ جیسا کہ قول لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ط میں واضح فرمایا گیا ہے۔ اور چونکہ ساری چیزیں میرے ہی لئے بنی ہیں۔ اس لئے میرے جی میں ان کا خیال پیدا ہوتا ہے۔ اس طرح میرے دل کا ان اشیاء کی طرف متوجہ رہنا ہی حق تعالیٰ کی نسبت تخلیق ومنشاء سے متعلق رہنا ہے اس لئے انسان کے قلب کا ان اشیاء کی طرف متوجہ نہ ہونا ناممکن بلکہ تقاضاء انسانیت سے قطع نظر کرنا ہے۔ اسی کو غلطی فہمی سے ترک دنیا سمجھا گیا ہے اب فہم رسالت کے تحت صرف اتنا ہی مجاہدہ ہے کہ جو چیز مرا جی مانگتا ہے۔ اس کو شریعت میں دیکھے اگر اجازت ہے تو ان کو استعمال کرے اور اگر اجازت نہ ہو تو ترک کر دے۔ ترک دنیا کا کوئی سوال پیدا نہیں ہوتا۔ کتاب وسنت میں امر نفسی کے تحت حوائج بشری کی تکمیل منع ہے۔ وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوٰى فَيُضِلَّكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ط اور امر الٰہی کے تحت (ان کی تکمیل) جائز۔ تو بات صاف وآسان ہوگئی کہ یہ فکر بشری جو عادت بشری ہے۔ تعمیل امر الٰہی واتباع سنت سے عبادت ہوگئی، عادت نہ رہی۔ اس طرح انسانی تفکر جیسا کا ویسا رہا صرف نسبت علمی صحیح ہوگئی تو فکر انسانی تبدیل بہ حکم الٰہی سے ذکر الٰہی، تلاوته اناء الليل واناء النهار کے بموجب عبادت کا مصداق بن گئی۔

قطع نظر اس کے کہ نفس انسانی یا جی کیا کہہ رہا ہے اس کی عملی زندگی آپ کے ملاحظہ میں پیش کی جاتی ہے۔ انسان کا جی جس کسی چیز کو مانگتا ہے وہ اس کو دیتا ہے یعنی انسانی جی کے احکام کی تعمیل کرتا ہے اور جس چیز کو دیکھتا ہے یا خود کو یا اپنی طرح کے کسی اور انسان کو اس کا مالک سمجھتا ہے۔ یہی روزانہ انسانی عادت ہے کہ اشیاء کو اپنی سمجھتا ہے اور جی جو بولے سنتا ہے یعنی جی کے احکام کی تعمیل کرتا ہے۔

کتاب وسنت میں صرف اسی نفس انسانی کے عملی زندگی کے علم کو بدلنے کی دعوت دی

گئی ہے کہ جن چیزوں کو وہ اپنی یا غیر کی ملک سمجھتا ہے، یہ اس کا علم غلط ہے بلکہ وہ اشیا جو اس کی تکمیل مہمانداری کے لئے بنی تھیں ان کو وہ غلط فہمی سے اپنی یا غیر کی ملک سمجھتا ہے۔ جب چیزیں اس کی بنائی ہوئی نہیں ہیں تو غیر کی ملک کو اپنے جی کے حکم سے استعمال کرنا کیسے صحیح ہوسکتا ہے؟ اس غلط فہمی کا نام کتاب وسنت میں کفر ہے۔ لہذا مختصر اور آسان بات یہ ہے کہ قلب کی فکر کو بدلے یعنی کہ انسان جن اشیاء کی فراہمی کی فکر میں ہے وہ حق تعالیٰ نے اس کے لئے مقدر کی ہیں مگر ہر چیز اپنے وقت پر ملتی ہے یہاں مسئلہ تقدیر شامل ہو رہا ہے لہٰذا تقدیر سے متعلق دو ایک جملے مختصراً لکھے جاتے ہیں۔

انسان کے اس عالم میں آنے کے بعد جس عمر میں موجود ہے اس وقت تک گذشتہ زندگی میں جو کچھ بھی اس پر دکھ درد، صحت، عافیت، شادی، بیاہ، حزن ملال، تقرر، تنزل، مال اور اولاد، اقتدار و حکومت، جو کچھ بھی اس پر گذرتے ہیں وہ سب کے سب اس کے جسم و نفس پر مخلوق اور ظاہر ہونے سے پہلے حق تعالی کے علم میں موجود تھے۔ ان موجودات علمی کو انسان پر وارد ہونے سے پہلے تقدیر یا قدر کہتے ہیں۔ یہی واقعات انسان پر یا پوری کائنات پر وارد ہونے سے پہلے ''وَكُلُّ شَيْءٍ عِنْدَهُ بِمِقْدَارٍ'' میں بیان کئے گئے ہیں اور یہ واقعات وظہورات بہ تعین اوقات، عالم میں ظاہر ہوتے ہیں۔ یہ حق تعالی کے علم کے پابند ہیں۔ لہذا معلوم ہوا کہ جو چیزیں مجھ پر ظاہر ہونے والی ہیں وہ اپنے وقت پر ظاہر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتیں یہی اس حدیث میں ذکر ہے کہ تمہاری چیزیں دوسرے کو نہیں دی جاتیں اور دوسرے کی چیزیں تمہیں نہیں مل سکتیں جس کے لئے جو مقدر ہیں اس کو اس کے لئے اپنے وقت پر ملیں گے تو معلوم یہ ہوا کہ جو چیزیں جس وقت ملیں گی وہ تحت علم الٰہی ہوں گے۔ ان کے سوا میرا جی جن چیزوں کو مانگتا ہے وہ علم الٰہی کے تحت نہیں ہوئیں لہذا ایسا نفسی مطالبہ قرآن پاک میں اَمْ لِلْاِنْسَانِ مَا تَمَنّٰى ﴿۲۴﴾ میں بیان کیا گیا ہے تو واضح ہوا کہ ارادہ نفسی کا نام تمنا ہے اور ارادہ الٰہی کا نام کن ''کن'' کا علم میں معلوم ہے اور تمنا کا مخاطب نفس میں کچھ نہیں۔ یہی جہل وظلمت ہے۔

نفس انسانی میں تمنا کے باوجود ''کن'' بھی زیر استعمال ہے اس ''کن'' کو سمجھنے سے

پہلے انسانی تعریف ملاحظہ فرمایئے۔انسان کثیر الحاجات ہے یہ حاجتیں دو قسم کی ہیں۔ایک اختیاری دوسری غیر اختیاری غیر اختیاری حاجتیں روپیہ پیسہ،عزت و دولت،اقتدار،شادی بیاہ،امراض وشفاء وغیرہ ہیں۔یہ انسانی حاجتیں ارادہ الٰہی سے پوری ہوتی ہیں۔ان حاجتوں کو انسان جب چاہتا ہے تو وہ تمنا بن کر رہ جاتی ہیں۔مگر پوری نہیں ہوتی اس لئے کہ یہ بڑی ضرورتیں ہیں جو ارادت مطلقہ کے تابع ہیں جو ''کن'' سے پوری ہوتی ہیں۔اختیاری ضرورتیں انسان کے اندر کی روحی قوتوں سے جب وہ چاہتا ہے پوری ہو جاتی ہیں۔مثلاً کھانا، پینا،وغیرہ غیر اختیاری امور میں تمنا کے باوجود انسان میں کن بھی اختیاری امور میں پایا جاتا ہے جس میں کن مطلقہ کی مشابہت پائی جاتی ہے۔

کن کو سمجھنے کے لئے انسانی خیال کو سمجھئے۔جب کسی کام کو کرنے کا خیال دل میں آتا ہے تو انسان اس خیال کے توسط سے جس کام کو کرنا چاہتا ہے،جانتا ہے جس کو جانتا ہے اس کو معلوم کہتے ہیں۔اس معلوم کو انسان میں کرنے کا عزم پیدا ہوتا ہے وہی کن ہے جو معلوم سے متعلق ہوتا ہے۔یہی معنی ہیں كُنْ فَيَكُوْن کے۔

جی میں جو خواہشات پیدا ہوتے ہیں ان کو علم الٰہی (شریعت) کے بموجب بدلنے سے عادت،عبادت ہو جاتی ہے۔ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى ﴿۴۰﴾ فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَاْوٰى ﴿۴۱﴾ میں یہی چیز واضح کی گئی ہے مطالبہ سلوک اس قدر ہے کہ نفس (انسانی) اشیاء کا اپنے کو یا غیر کو مالک نہ سمجھے بلکہ حق تعالیٰ کو ان کا مالک سمجھ کر دیکھے۔یہ دیکھنا قرآن کریم میں مرتبہ آثار یا عالم شہادت کا وجہ اللہ ہے اور امر نفسی کو امر الٰہی سے بدل دے۔اس تفہیم سے یہ بات نکلی کہ فکر انسانی ذکر الٰہی میں کس طرح آسانی سے بغیر ریاضت،مشقت یا محنت کے بدل سکتی ہے اب انسانی مشاہدہ اشیاء میں تملیک اور افعال بشری میں (فرمانبرداری) حکم کا مصداق بن گیا اور یہی مقصد نبوت ہے۔

صالحیت

علم حق کو روزمرہ گھریلو بشری زندگی کے مطابق کر کے پیش کرنا انسانی بساط سے باہر ہے۔ الا ماشاء اللہ۔ یہی وجہ تھی کہ تعلیم دینی کو انبیاء علیہم السلام حق تعالیٰ ہی کے الفاظ میں پیش فرماتے رہے۔ اور امتیان محمدی کو حکم ہوا۔ فَذَكِّرْ بِالْقُرْاٰنِ (ق ۴۵ - سو تو سمجھا قرآن سے) کیونکہ کلام حق میں معجزہ ہے وَشِفَآءٌ لِّمَا فِي الصُّدُوْرِ ۙ (یونس ۵۷ - شفاء دلوں کے روگ کی) وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ (نحل ۱۲۵ - نصیحت سنا بھلی طرح) هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ ۝۲ (البقرہ ۲) راہ بتلاتی ہے ڈرنے والوں کو) سلوک محمدی ہی انسانیت کی پیاس بجھا سکتا ہے اور کتاب وسنت اسی سلوک کے حامل ہیں جس قدر عبور قرآنی ہوگا۔ وَيَزِيْدُهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ (النساء ۲۴/۵) اور زیادہ دے گا اپنے فضل سے) کا قلب مصداق ہوگا۔ حق فضلہ سبحانہٗ تعالیٰ کا وعدہ صادق ہے علم مانگ دیا جائیگا۔ وَقُلْ رَّبِّ زِدْنِيْ عِلْمًا ۝۱۱۴ (طہٰ: ۱۱۴) کہہ اے رب زیادہ کر میری سمجھ) اور دوسرا وعدہ تعلیمی ہے۔ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ وَيُعَلِّمُكُمُ اللّٰهُ ۭ (البقرہ ۲۸۲) اور ڈرتے رہو اللہ سے اور اللہ تم کو سکھلاتا ہے) عملی تقویٰ میں حق سبحانہٗ وتعالیٰ خود پڑھائیں گے۔ یعنی جس قدر بھی انفس کا شرک یعنی حجاب عملی رفع ہوگا۔ نسبت حق نمایاں ہوگی اور وہ خود پڑھائیں گے جس قدر فخر ذاتی متحقق ہوگا اس قدر غناء ذاتی وفی القلب ہوگی۔ جس قدر غیر سے نسبت احتیاج رہے گی اس قدر نسبت الٰہیہ محجوب رہے گا۔ قُلِ اللّٰهُ ۙ ثُمَّ ذَرْهُمْ (الانعام ۹۱) تو کہہ دے کہ اللہ نے اتاری پھر چھوڑ دی)۔

حق تعالیٰ غیور ہیں نسبت غیر نہیں دیکھنا چاہئے۔ کیا اللہ تعالیٰ بہ اعتبار جسم وروح کافی نہیں ہیں۔ اَلَیْسَ اللّٰہُ بِکَافٍ عَبْدَہٗ ط (الزمر ۳۶) کیا اللہ بس نہیں اپنے بندے کو) بیشک کافی ہی نہیں بلکہ رب ہیں۔ جس طرح باپ بچے کی ضروریات میں کافی ہوتا ہے۔ باپ کی ربوبیت بچہ پر بہ صورت تعلیم وتربیت بہ زمانہ شعوری (بچپن) اسی وقت تک رہے گی جب تک کہ بچہ ''توحید'' پدری پر راسخ رہے۔ بچہ کے دل میں باپ کی پدریت کے سوا کسی کی پدریت کا ''شرک'' نہ رہے۔ واقعہ بھی یہی ہے کہ بچہ اس قدر جمار ہتا ہے کہ دوسرے شخص کو باپ کہنا کبھی گوارا نہیں کرتا۔ بلکہ جان دیدیگا۔ مگر کسی اور کو باپ نہیں کہے گا۔ اس استقامت علی التوحید کی جزاء بچہ کو باپ سے یہ شان ربوبیت ظاہر ہوتی ہے اور اگر چہ پدریت کا انکار کرے تو باپ کی ربوبیت بھی مرتفع ہوجاتی ہے۔ تو کیا اس انکار سے بچہ واقعہ میں باپ کی ولدیت سے علحدہ ہوسکتا ہے؟ ہرگز نہیں۔ یہ صرف اس کا ایک فہم باطل ہے مگر اس فہم باطل کا اثر بھی کسقدر قوی ہے کہ ربوبیت پدری کو برطرف کردیتا ہے۔ اس عملی مثال سے واضح ہوتا ہے کہ جزاء سے توحید ربوبیت ہے مربوب کے لئے یعنی مربوب میں صرف توحید رہے اور بس تو رب اپنی توجہات پرورش کو ان گنت صورتوں میں ظاہر کرتا رہتا ہے۔ آپ دیکھتے ہیں کہ باپ بچہ پر کن کن صورتوں سے قریب رہے یا بعید کیسا متوجہ رہتا ہے واہ سبحان اللہ۔ کیا کھلا علم وعمل ہے مگر انسان کی منقلب نسبتیں اسکو (انسان کو) حیران وپریشان رکھتی ہیں۔ استغفر اللہ۔ یہاں یہ بھی غور فرمائے کہ بچہ توحید پدری پر جمار ہتا ہے تو باپ اس کا رب ہوجاتا ہے۔ اب باپ اور بچہ کے تعلقات پر نظر فرمائے۔ باپ کا مطالبہ صرف اس قدر ہے کہ بچہ باپ کے علم میں اپنا غیر شعوری زمانہ (بچپن) بسر کرے کیونکہ بچہ جو کچھ مانگتا ہے اور جس میں ضد اور ہٹ کرتا ہے وہ اس کے لئے مضر ہے اور باپ جو چاہتا ہے وہ اس کے لئے مفید ہے۔ کیا یہ اس مرتبہ میں وَعَسٰٓی اَنْ تَکْرَھُوْا شَیْئًا وَّھُوَ خَیْرٌ لَّکُمْ ج وَعَسٰٓی اَنْ تُحِبُّوْا شَیْئًا وَّھُوَ شَرٌّ لَّکُمْ ط (البقرہ ۲۱۶) اور شائد کہ تم کو بری لگے ایک چیز اور وہ بری ہو تمہارے حق میں) نہیں ہے اس لئے کہ بچہ میں جہل ہے باپ میں علم بچہ جس قدر اپنے علم میں رہے گا۔

اسی قدر نقص اور جس قدر باپ کے علم میں رہے گا اسی قدر مفید پھر اس پر طرہ یہ کہ اس میں باپ کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔ فائدہ ہے تو بچہ ہی کا۔ ایسے بے غرض باپ پر قربان ہونا چاہئے کہ سوائے بچہ کی فلاح و بہبود کے اس کے قلب میں کچھ نہیں نتیجہ میں دیکھیئے باپ کی نافرمانی کا اثر بچہ پر ہی ہوتا ہے۔ باپ پر نہیں، بچہ باپ کا انکار کرے تو واقعی پدریت سے جدا نہیں ہوسکتا۔ صرف بچہ کا علم متاثر ہوتا ہے واقعہ جیسے کا ویسا جو کچھ اثر ہے وہ بچہ پر اگرچہ مثال طویل ہوگئی ہے مگر اس میں من وجہہ عبد و رب کا تعلق نمایاں ہوتا ہے بشرطیکہ غور و تامل ہو۔ اور یہ عجیب سنت پدری ہے کہ جب بچہ زمانہ شعوری میں قدم رکھتا ہے تو اپنی اولاد کے ساتھ وہی سلوک کرتا ہے جو اس کے باپ نے اس کے ساتھ کیا تھا۔ سبحان اللہ کیا سنت پدری ہے۔ اب ایک دو بات اور سمجھئے۔ بچہ نے اگر فرمانبرداریٔ پدر کی ہے تو زمانہ شعور میں اس کی جزاء پاتا ہے اور نافرمانی کی ہے تو اس کی سزاء اگر بچہ نافرمانِ پدر رہا ہو تو شعوری زمانہ میں نافرمانی کی سزائیں دیکھ کر افسوس کرتا ہے کہ کاش باپ کی سنتا تو آج اچھا رہتا۔ اگر ممکن ہوتا تو یہ کہتا کہ میرا زمانہ طفلی پھر واپس ملے تو باپ کی اطاعت کروں گا مگر نہیں ہوسکتا۔ بلکہ رنج و ملال رہتا ہے اگر اس کو زمانہ طفلی دیا بھی جائے تو بلحاظ اقتضائے طفلی (ذاتی) جہل بھی دینا پڑیگا۔ تو ایسی صورت میں وہی کریگا جو پہلے کیا تھا۔ دیکھئے حق تعالیٰ کفار و مشرکین سے یہی فرماتے ہیں کہ یہ لوگ اگر واپس ہوں تو وہی کریں گے جو پہلے کئے تھے کیونکہ جہل کا اقتضاء یہی ہوتا ہے جہل میں اذیت ہے اور علم میں سرور فرمانبردار لڑکا شعوری زمانہ میں آتا ہے تو باپ غیر شعوری (بچپن کے) زمانہ کی تربیت و نگرانی کو اٹھا لیتا ہے اور کہتا ہے کہ لھم مایشاؤن (ان کے لئے ہے جو وہ چاہئیں) اب تمہیں سمجھ آگئی تم جو چاہو کرو کسی قانون کے پابند نہیں۔ ٹھیک اسی طرح کا حال مومنین کا بھی ہے کہ جب وہ اس عالم سے تحت اطاعت الٰہیہ گذر جائیں گے اور داخل جنت ہوں گے تو سبحانہ وتعالیٰ فرمائینگے وَلَكُمْ فِيهَا مَا تَشْتَهِيٓ أَنفُسُكُمْ وَلَكُمْ فِيهَا مَا تَدَّعُونَ ﴿٣١﴾ (حم سجدہ) اور تمہارے لئے وہاں ہے جو چاہے جی تمہارا اور تمہارے لئے وہاں ہے جو کچھ مانگو) سبحان اللہ وبحمدہ

انسانی زندگی جو اس عالم میں بسر ہو رہی ہے اس میں بہت سی مثالیں ملیں گی بشرطیکہ غور و فکر رہے۔ مگر انسان جسمی لوازمات میں اس قدر منہمک رہتا ہے کہ اس کو مہلت نہیں ملتی۔ رسالت نے اس قدر احسان کیا کہ اسی زندگی کی نسبت علوم دئے تا کہ انسان مزید زحمتیں نہ اٹھائے نبوت میں اسی عالم سے بحث ہے، الم سے والناس تک جسم و روح ہی کا تذکرہ ہے مگر کون ہے جو غور کرے۔ وما توفیقی الا باللہ۔

بچہ کو غیر شعوری زمانہ میں جہل ہوتا ہے اس لئے ضروری ہے کہ باپ کی بات پر بالغیب چلے۔ کیونکہ استعداد فہم ناقص اور شعوری زمانہ کے علم کی استعداد گویا محض بالقوہ ہوتی ہے جو تدریجا بڑھتی ہے یہی حال انسان کا ہوتا ہے کہ وہ عالم آخرت سے جاہل اور غیر شعوری زمانہ میں ہوتا ہے اس لئے رسالت بالغیب رکھی۔ کیونکہ استعداد انسانی عالم غیب کی نسبت بالقوہ ہوتی ہے علم رسالت و وحی میں بالغیب پرورش ہونے سے تدریجی قوت ترقی کرتی ہے اور سکون اور سرور قلبی (حاصل) ہوتا جاتا ہے تو معلوم ہوا کہ بالغیب ماننے اور چلنے کا انحصار صرف قلت استعداد انسانی ہے ورنہ اللہ پاک تو اپنا علم یا علم حق دینا چاہتے ہیں، صرف استعداد مانع ہے۔ انسانیت اگر متغیر ہو کر علم حق پر عامل ہو تو نتائج و ثمرات نمایاں ہو سکتے ہیں۔ یہی غلط علم انسانی جس کا نام ''ہویٰ'' ہے اتباع رسالت سے صحیح ہو کر ''تقویٰ'' ہو جاتا ہے۔ ہدی میں علم انسانی ہے اور تقوی میں علم حق یہ اس کا غیر اور وہ اس کا غیر دونوں آپس میں متضاد اس لئے علم نفسی کا ''امر''، علم حق کے اعتبار سے ''نہی'' ہے اور علم حق کا ''امر''، علم ہدی یا علم انسانی کی ''نہی'' ہے دیکھئے فرق کس قدر ہے۔ مجاہدہ بھی اس لئے ہے کہ امر حق کو اختیار کرے اور امر نفسی کو ترک کرے نہ کہ ترک دنیا ترک دنیا تو کسی طرح جائز ہی نہیں لیکن ترک امر نفسی لازمی ہے۔ یہی حال باپ بیٹے (کے باہمی معاملہ کا ہے۔ جو باپ کا امر ہے بیٹے کے پاس ''نہی'' اور جو بیٹے کا منشاء ہے وہ باپ کے پاس نا قابل قبول۔ یہی وجہ ہے کہ بیٹے (بچہ) کی غیر متوازن زندگی اسی کے لئے وبال جان ہے اور انسان کی غیر متوازن حالت خود انسان کے لئے وبال ہے۔

باپ کی نظریں بچپن کے مطالبات نفسی کی کوئی وقعت یا قدر و منزلت نہیں بلکہ شعوری زمانہ کے مطالبات کی قدر و منزلت ہے۔

اسی طرح حق تعالی کے پاس اس عالم کی انسانی زندگی کی کوئی وقعت اور قدر و منزلت نہیں۔ بلکہ آخرت کی زندگی باعث قدر و منزلت ہے، جیسا کہ فرماتے ہیں تُرِيْدُوْنَ عَرَضَ الدُّنْيَا ۖ وَاللّٰهُ يُرِيْدُ الْاٰخِرَةَ ۭ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿٦٧﴾ (انفال) تم چاہتے ہو اسباب دنیا کا اور اللہ کے ہاں چاہئے آخرت) سبحان اللہ۔ اس لئے حضرت جل مجدہ نے بہ فضل و احسان جس طرح باپ بلا غرض علم دے کر پرورش کرتا ہے ٹھیک اسی طرح اپنا خالص علم بذریعہ انبیاء علیہم السلام عطا فرمایا اور اس کی غرض کی تکمیل کے لئے سب سے آخر میں بذریعہ خاتم النّبیین اپنا خاص منشاء بزبان وحی قلب محمدی پر نازل فرمایا ہے یعنی محمد رسول اللہ کے ذریعہ لا الہ الا اللہ عطا فرمایا ہے تاکہ انسان انہی قرآنی جملوں سے اپنی زندگی ناسوتی (دنیوی) کا علم حاصل کرے۔ ایسے علم کا حصول فریضہ انسانی ہے۔ رَبِّ زِدْنِي عِلْمًا۔

کشف و کیفیات اور واقعات و لوازمات و لذات اصلاً مقصود نہیں بلکہ یہ سب تابع ہیں صرف وَقُلْ رَّبِّ زِدْنِيْ عِلْمًا ﴿١١٤﴾ (طہ) کہہ اے رب زیادہ کر میری سمجھ) کا حکم ہے۔ کیونکہ علم کے نتائج و ثمرات کشف و کیفیات اور واقعات، لذات و انوار سب توابعات ہیں نہ کہ اصل مقصود۔ بندے اور اللہ میں صرف علم مشترک ہے۔ دیکھئے علم سے اللہ پاک خود کو اور جمیع معلومات و مخلوقات کو جانتے ہیں وہی علم آپ کو دیئے ہیں۔ اب علم کے چند اجمالی فیضانات جو انسان پر طاری و ساری ہیں اس پر غور فرمائے۔

انسان میں کئی بلکہ ان گنت صفات ہیں۔ ہر صفت اگرچہ مستقل صفت ہے مگر اس کا تعلق جب تک کہ صفت علم سے نہ ہو اس کی جزاء نہیں ملتی مثلاً آپ کسی شخص کو دیکھ رہے ہیں مگر آپ کی توجہ جس میں علم ہے اگر صفت بصارت سے متعلق نہ ہو تو آپ نہیں سمجھ سکتے کہ آپ نے کیا دیکھا۔ اسی طرح اگر آپ کچھ سنتے ہیں اور آپ کی سماعت سے صفت علم متعلق نہ ہو تو آپ کو معلوم نہیں ہوتا کہ آپ نے کیا سنا۔ اگر آپ کسی شئے کو مس کر رہے ہیں اور اس

چھونے سے جانتا پن متعلق نہیں تو آپ کو معلوم نہیں ہوتا کہ شئی نرم ہے یا سخت صفت حس بیکار۔ اگر آپ کھانا کھا رہے ہیں اور توجہ نہ ہو بلکہ دوسرے کام میں دل لگا ہو تو آپ کو معلوم نہیں ہوتا کہ ذائقہ کیسا ہے دیکھئے علم جس کا نام توجہ رکھا گیا ہے اگر نہ ہو تو جزائے طعام غائب ۔اسی طرح جملہ صفات انسانی محتاج علم ہیں جس کو آپ روزانہ دیکھ رہے ہیں۔ البتہ صفت حیات سب پر فائق ہے لیکن اگر صفت حیات سے صفت علم متعلق نہ ہو تو زندہ ہیں یا مردہ معلوم نہیں ہوتا پس ان توجیحات اور مذکورہ مثالوں سے واضح ہوا کہ صفت علم کا فیضان ہر صفت کے لئے ضروری اور جزو لاینفک ہے۔ اسی علم کی بدولت فضیلت انسانی ہوئی دوسرے میں یہ استعداد نہیں۔ لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰى جَبَلٍ لَّرَاَيْتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ ؕ (الحشر:۲۱) اگر ہم اتارتے یہ قرآن ایک پہاڑ پر اترتا تو دیکھ لیتا کہ وہ دب جاتا پھٹ جاتا اللہ کے ڈر سے)۔ دیکھئے پہاڑ جیسی مخلوق ریزہ ریزہ ہو جاتی۔ وہی علم جس کا یہ اثر ہے آپ اٹھائے ہیں۔ دنیا میں بھی انسانوں کی فضیلت علم ہی پر ہوتی ہے۔ جسم و صورت کی کوئی فضیلت نہیں بلکہ ہر صورت میں جس قدر علم ہوگا اسی علم کے اعتبار سے اس صورت کی فضیلت و درجہ عند الناس ہوتا ہے۔ حق تعالی کے پاس ہی تناسب علم کے اعتبار سے صورت کے مدارج ہیں۔ دیکھئے قبل تخلیق عالم حضرت آدم علیہ السلام کا امتحان بھی ملائکہ کے باالمواجہہ علم ہی پر ہوا۔ غرض کہ جس علم سے آپ ہر آن ہر سانس میں استفادہ کر رہے ہیں اسی علم پر مدار عمل ہے وہ کیسا علم جس سے خود اللہ تعالی بھی اپنے کو جانتے ہیں اور تمام کائنات کو جانتے ہیں وہی علم آپ کے انفس میں رکھا ہے۔ سبحان اللہ۔

حضرت جل مجدہ نے بفضلہ و کرمہ اپنا علم خالص بذریعہ وحی نزل علی قلب محمد کی شان سے نازل فرمایا جس کے آپ مکلف ہیں وہ بھی صرف ایک لفظ الہ سمجھنے کے لئے۔

لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ

خط کشیدہ الفاظ میں ہر ایک کا تعلق نمایاں کیا گیا ہے۔ رسول اللہ کا تعلق الہ سے ہے اور محمد کا تعلق اللہ سے یعنی پہلے رسالت پھر الوہیت۔ اسی طرح پہلے عرفان ذات محمد اور بعد

عرفان ذات اللہ ہر ایک کو اس کے مقام پر غور فرمایئے۔ دیکھئے رسالت میں علم حق ہے محمد حق تعالیٰ کے پاس سے تشریف لائے ہیں، کیا لائے ہیں؟ اللہ پاک کا خالص علم لائے ہیں جو بصورت کتاب وسنت موجود ہے اسی علم کا دوسرا نام رسالت ووحی ہے۔ پہلے رسالت کا مرتبہ کیوں ہے؟ اس لئے کہ روزانہ مشاغل میں آپ جب کبھی کسی کے پاس کسی آدمی کو بھیجتے ہیں تو کچھ علم یا پیام دے کر بھیجتے ہیں اس مثال میں یہ دیکھنا ہے کہ یہ فرستادہ آدمی جس کے پاس جاتا ہے (مرسل الیہ) وہ شخص پہلے آدمی کو دیکھتا ہے اور سمجھتا ہے کہ اس شخص کا بھیجا ہوا ہے جس نے اس کو بھیجا ہے اس کے بعد سوال کرتا ہے کہ کیا کہلا بھیجا ہے؟ پیام اس لئے پہلے نہیں کہ وہ تو آدمی کے دل میں چھپا رہتا ہے اور آدمی جب زبان کھولتا ہے اور بیان کرتا ہے تو پیام نمایاں ہوتا ہے۔ اس اعتبار سے آدمی پیام سے پہلے ہے اور پیام بعد۔ تو مرتبہ رسول پہلے ہے اور مرتبہ پیام بعد۔ لہٰذا اسی اعتبار سے محمد رسول اللہ پہلے ہے۔ لا الہ الا اللہ بعد محمد رسول اللہ کو جاننا ایمان ہے قرآن کریم کی رو سے جزائے تصدیق رسالتِ محمدیہ تقوی ہے۔ وَالَّذِیْ جَآءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِهٖۤ اُولٰٓىِٕكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ۝۳۳ (الزمر) اور جو لے کر آیا سچی بات اور سچ مانا جس نے اس کو وہی لوگ ہیں ڈر والے) مع المتقین۔ اقرار وتصدیق محمد رسول اللہ کا حب و وصیت حق ہے۔ کیونکہ حق تعالیٰ شانہ کا خالص علم ذات محمدیہ میں رسالت کے نام سے موسوم ہے۔ سبحان اللہ و بحمدہ۔

لفظ محمد کی جسمی صورت بشری ہے۔ قُلْ اِنَّمَاۤ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ (الکہف ۱۱۰) تو کہہ میں بھی ایک آدمی ہوں جیسے تم) علم حق ہونے کے اعتبار سے یُوْحٰۤى اِلَیَّ۔ یعنی رسول اللہ۔ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ؕ (الفتح ۲۹) محمد رسول اللہ کا۔ قرآنی نص ہے۔ لفظ رسول کسی پر اسی وقت منطبق ہوسکتا ہے جبکہ وہ اپنی نہ کہے جیسا کہ وَمَا یَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى۝۳ؕ (النجم) اور نہیں بولتا اپنے نفس کی خواہش سے) سے ثابت ہے اور اگر اپنی بات درمیان میں ملا کر بیان کرے تو اس ملے ہوئے جملہ کی حد تک لفظ رسول اس شخص سے ہٹ جائے گا۔ اور خود ذمہ دار رہے گا۔ (۱) محمد (۲) رسول (۳) اللہ ان تین الفاظ میں سب کچھ ہے۔ رسالت میں علم

الوہیت تفصیلی علم ربوبیت اجمالی۔ اور جملہ اوامر ونواہی اور تربیت جسم وروح وغیرہ سب کچھ مندرج ہیں اس اجمال وتفصیل کے بالغیب ماننے کی جزاء تقویٰ ہے۔ اس توجیہ رسالت میں علم الوہیت مندرج ہے۔ تصدیق مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ط سے کفر نکلا ایمان آیا اور پیام لا الہ الا اللہ مان لیا تو شرک نکلا توحید ملی۔ رسالت اور الوہیت دونوں اجزاء کی دل سے تصدیق کی تو نفاق نکلا، صدق پایا اور باحسانہ و توفیقہ اسی دین پر رہنے کا عزم بالقلب ہے تو قصور اور ارتداد فنا۔ کافر، مشرک منافق اور مرتد کا مقام ابدی جہنم ہے الحمد للہ اس تبدیلی علم سے ابدی جہنم سے نجات ملی۔ اب عارضی جہنم چونکہ فسق سے ہے اس لئے نیک عمل کے عزم بالجزم سے فسق نکلا حسنہ ملا۔ صالحین کا مقام جنت ہے۔ علم حق جو دین ہے اسمیں اپنی ذہنیت کو داخل کرے تو یہ بدعت ہے۔ کیونکہ جو بات دین میں نہ ہو اسے دینی سمجھنا بدعت ہے بدعتی کا مقام نار ہے۔ اس سے بھی توبہ کی تو ابدی، عارضی اور امکانی جہنم سے بچا اور جنتی ہو گیا اور یُحِبُّ التَّوَّابِیْنَ (البقرہ:۲۲۲) پسند آتے ہیں توبہ کرنے والے) کا مصداق بنا۔

تفصیلی الوہیت قرآن کریم میں موجود ہے۔ الہ کس کو کہتے ہیں؟ اَمْ لَهُمْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ ط سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿۴۳﴾ (الطور) کیا ان کا کوئی حاکم ہے اللہ کے سوائے۔ وہ اللہ پاک ہے ان کے شریک بنانے سے) تو معلوم ہوا کہ غیر اللہ کو الٰہ بنانا شرک ہے یہی روح پیام ہے۔ اسی لئے جملہ انبیاء علیہم السلام کا متفقہ پیام یہی رہا ہے۔ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ط (الاعراف:۵۹) (اے میری قوم بندگی کرو اللہ کی کوئی نہیں تمہارا معبود اس کے سوا)۔

شرک کے دو اجزاء ہیں یعنی دو طرح سے واقع ہوتا ہے۔ ایک عبادت غیر دوسرے استعانت غیر عبادت تعمیل احکام یعنی اظہار ''ذلت'' کا نام ہے اور ذلت بغیر تصور استعانت نہیں پائی جاتی یعنی جب تک کہ استعانت ملحوظ ہو عبادت (یعنی اظہار ذلت) نہیں ہو سکتی تو اس اعتبار سے مستلزم استعانت اور استعانت مستلزم عبادت ہوئی۔ اسی مفہوم کی ترجمانی اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ﴿۴﴾ ط (فاتحہ) (تیری ہی ہم بندگی کرتے ہے اور تجھ ہی سے مدد مانگتے

ہیں)۔سے واضح ہوتی ہے جب قلب انسانی سے کفر۔شکر۔نفاق اور تصور ارتداد کو جو علمی چیزیں ہیں سمجھا اور رفع کیا تو ایمان۔توحید۔صدق واستقامت سے قلب مملو ہوا اور جنتی بنا۔ بدعت اور فسق سے محفوظ رہا تو سنت اور حسنہ سے سرفراز ہوا اور صالحین میں داخل ہوا۔ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَنُدْخِلَنَّهُمْ فِي الصّٰلِحِيْنَ۝۹ (العنکبوت) اور جولوگ یقین لائے اور بھلے کام کئے ہم ان کو داخل کریں گے نیک لوگوں میں) فرائض میں بعد تفہیم کے۔ایمان۔شرک وتوحید وغیرہ نماز۔روزہ۔زکوۃ۔حج ہیں ان میں اول دو لازمی اور دو آخر کے استطاعت پر موقوف ہیں مگر عزم میں مشترک۔

فہم الوہیت عنداللہ کیا ہے؟ قُلْ اِنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ وَّاِنَّنِيْ بَرِيْۗءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ۝۱۹ (الانعام) کہہ دے وہی ہے معبود ایک اور میں بیزار ہوں تمہارے شرک سے) مخلوق کی ذات میں الوہیت الٰہیہ موجود ہے وہ اگر مخلوق کی سمجھی جائے تو یہ شرک ہے۔ وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْـــًٔا (النساء۳۶) اور بندگی کرو اللہ کی اور شریک نہ کرو اس کا کسی کو) حق تعالیٰ کی چیزیں شئ کی سمجھنا شرک ہے گویا منع شرک شئ ہے جب شئ نہ تھی شرک نہ تھا جب شئ ہوئی، شرک کا امکان ہوا۔الٰہ میں چار اعتبار ہیں وجود۔صفات۔افعال۔ملک وحکومت اس مجموعہ سے ذات الٰہ قائم ہے ذات کا فہم اور تعریف بھی اسی مفہوم پر ہے وجود نہ ہو تو عالم۔صفات نہ ہو تو معطل و بیکار۔افعال نہ ہو تو مجبور۔مالکیت وحاکمیت نہ ہو تو محل تصرف غائب۔لہٰذا ذات انہی اجزائے وجود۔صفات، افعال۔ملک وحکومت سے قائم اور سمجھی جاتی ہے۔اور حق جل مجدہ کی ذات اقدس بھی انہیں اعتبارات کے ساتھ ذات ومسمی واسم ہے یعنی اللہ کے ان اعتبارات سے فہم ذات کے نصوص ملاحظہ ہوں۔

ذات، اِنَّنِيْٓ اَنَا اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا (طٰہٰ:۱۴) میں جو ہوں اللہ ہوں کسی کی بندگی نہیں سوائے میرے)۔انا سے وجود ہی مراد ہے یعنی ہونا پن، میں پن، ہے پن۔

صفات: ہوالحی، ہوالعلیم، ومایرید ہوالقدیر۔ہوالبصیر۔ہوالسمیع۔ہوالکلیم۔علمہ البیان۔یہ بھی حصر کے طور پر اللہ تعالیٰ اپنے لئے ظاہر فرماتے ہیں۔

افعال، فعال لما یرید (الہود ۹/ ۱۲ کرڈالتا ہے جو چاہے) فعل بھی اللہ کے لئے ثابت ہے۔

مالکیت وحاکمیت: لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ط (البقرہ ۲۵۵) اسی کے لئے ہے جو کچھ کہ آسمانوں اور زمین میں ہے) احکم الحاکمین گویا وجود۔ صفات۔ افعال۔ ملک وحکومت جو ذات و مسمی ہے وہی اعتبارات الہ میں ہیں۔ صرف مقید و مطلق کا فرق ہے۔

نفی واثبات کیا ہے؟ یعنی وہی اعتبارات الٰہیہ جو مخلوق میں ہیں اللہ ہی کے ہیں۔ اس لئے اس جملہ لا الہ الا اللہ سے اللہ ہی کے سمجھے جائیں۔ یہی خلاصۂ دعوتِ محمدیہ ہے۔

بندہ کی ہر صفت میں ان کا (اللہ تعالیٰ کا) ایک اعتبار ہے۔ عدم میں وجود ہے۔ صفات ناقصہ میں صفات کمالیہ نمایاں ہیں۔ انفعال اور کسب میں فعل۔ محکومیت اور مملوکیت میں حاکمیت و مالکیت مگر ذات انسانی نے اعتبارات حق کو جو وصف ذات ہیں اور جو الوہیت کہلاتے ہیں اپنی ذات سمجھا۔ یہی شرک کا سبب بنا۔ اگر صورت سے جدا سمجھ کر ان اعتبارات کو اللہ تعالیٰ کے سمجھے تو یہ اثبات ہے گویا ایسا فہم ذات عالم سے بہ نفی واثبات صحیح ہو جانا چاہئے۔ مگر ہر شخص صرف الوہیت کا مکلف ہے۔ اوپر کے اعتبارات تفصیلی نہیں بلکہ صرف اجمالی ہیں

یہ غور طلب امر ہے کہ شرک صحت علمی اور رفع جہل انسانی کے لئے ہے نہ کہ واقعہ نفس الامری۔ حقیقت میں شئ علیحدہ ہے اور وصف الوہیت علحدہ یعنی صورت سے جدا ہے۔ اس نفی واثبات کا اثر صرف علم انسانی کی حد تک محدود ہے۔ واقعہ میں الوہیت ظاہرہ باطن ہی میں مثبت ہے۔ باطن میں ذات حق اور ظاہر میں الوہیت الٰہیہ صورت نے مغائرت انسانیہ کے ضمن میں وصف ذات الٰہیہ کو جہلا اپنی سمجھا۔ حالانکہ اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا ﴿۷۲﴾ (الاحزاب۔ یہ ہے بڑا بے ترس نادان) انسانی ذات ہے۔

مملوکیت چونکہ شئ ہے اس لئے مالکیت بصورت مملوکیت ظاہر ہو تو مملوکیت ذاتیہ کو بھول کر مالکیت ہی کو اپنی ذات خیال کیا جس کی صحت علمی کا علم دیکر احسان عظیم فرمایا گیا لَا يَخْلُقُوْنَ شَيْـًٔا وَّهُمْ يُخْلَقُوْنَ ﴿۲۰﴾ اَمْوَاتٌ غَيْرُ اَحْيَآءٍ ج (النحل ۲۰، ۲۱) کچھ پیدا نہیں

کرتے اور وہ خود پیدا کئے ہوتے ہیں۔ مردے ہیں جن میں جان نہیں) كَيْفَ تَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَ كُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاَحْيَاكُمْ ۚ (البقرہ ۲۸) کس طرح کافر ہوتے ہو خدائے تعالی سے حالانکہ تم بے جان تھے پھر جلایا تم کو) حیات وممات ایک دوسرے کے غیر اور ضد ہیں۔ شعور تملیکی انفسی لوازمہ حیات سے ہے نہ کہ ممات سے، مالکیت جز وذات الہ ہے۔ میت نے بعد سرفرازی حیات لوازمہ حیات کو اپنی سمجھا، اس لئے شرک ہوا۔

بعد صحت علمی، فرائض واوامر ونواہی پر توجہ وعمل ہو جو صالحیت ہے۔ مملوک اپنے ہر عمل کو مالک کے امتثال امر میں سمجھے، جو دین ہے اور یہی صالحیت کا مقام ہے۔ کمال صالحیت آثار میں یہ ہے کہ بندہ ہر شئی میں اللہ پاک کی مالکیت کا مشاہد جمال رکھے۔ کیونکہ مالکیت ذات ہے نہ کہ صفات وافعال لہذا ایسا مشاہدہ اس مرتبہ کا وجہ اللہ ہوگا۔ علم وعمل، مشاہدہ اور مجاہدہ کا کمال یہ ہونا چاہئے کہ لِّكَيْلَا تَاْسَوْا عَلٰى مَا فَاتَكُمْ (الحدید: ۲۳) تا کہ تم غم نہ کھایا کرو اس پر جو ہاتھ نہ آیا- کا مصداق قلب بنے۔ نفس افسوس حزن وملال، نسبت تملیکی پر منحصر ہے۔ اس لئے جس قدر قوت تملیکی قوی ہوگا اس قدر حزن وملال کم ہوگا۔ اس نص میں افسوس نہ کرنے کا ارشاد اس لئے ہے کہ انسان مالک نہیں ہے۔ تملیک رفع ہو جائے تو شئی کے فنا ہونے پر کیسے افسوس ہوگا۔ کیونکہ ہر علم کی ایک جزاء ہے، جیسا علم ویسے آثار۔

دیکھئے جیسے سو سو کے دو نوٹ قدر ومنزلت میں مساوی ہیں ایک ہماری جیب میں اور ایک دوسرے شخص کی جیب میں۔ اگر دونوں گم ہو جائیں تو ہم کو غیر کے نوٹ کے گم ہونے کا رنج وحزن نہ ہوگا بلکہ اپنے نوٹ کے گم ہونے کا ہوگا اس مثال سے واضح ہے کہ صرف نسبت تملیکی باعث حزن وملال ہے۔ اگر عمل بھی علم کے مطابق ہو جائے تو دانش مغائر کے اعتبار سے حزن وملال نہ ہو سکے گا۔ وَلَا تَفْرَحُوْا بِمَآ اٰتٰىكُمْ ؕ (الحدید ۲۳) اور نہ شیخی کیا کرو اس پر جو تم کو اس نے دیا- اس نص میں نسبت کی صحت مقصود ہے۔ یعنی تم نے نہیں کمایا بلکہ اللہ نے اپنے فضل سے دیا تو پہلی نص کے ٹکڑے میں نسبت تملیکی اور دوسرے میں نسبت کی صحت ہے۔ واہ سبحان اللہ۔

مقام صالحیت کے علم وعمل وتحقق کے بعد مقام ''شہادت'' ہے جو نوافل سے ہے۔

اس میں ربوبیت تفصیلی ہے۔ وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُوْنَ﴿۹۶﴾ (صٰفّٰت) اور اللہ نے بنایا تم کو اور جو تم بناتے ہو۔ خلق وکسب۔ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ ؕ (البقرہ ۲۸۶) اسی کو ملتا ہے جو اس نے کمایا اور اسی پر پڑتا ہے جو اس نے کیا۔) خلق وکسب کا تفصیلی علم مقام ربوبیت ہے فعل کی حقیقت حرکت حرکت کی دو نسبت ایک خلق کی طرف دوسری کسب کی طرف وَهُوَ يُطْعِمُ وَلَا يُطْعَمُ ؕ (انعام: ۱۴) اور وہ سب کو کھلاتا ہے اور اس کو کوئی نہیں کھلاتا۔ کسب کی نسبت خلق (تخلیق) کی طرف، کفر اور خلق (تخلیق) کی نسبت کسب کی طرف، شرک، کسب اپنے محل پر اور خلق اپنے محل پر، توحید یہاں مشاہدہ ومجاہدہ خلق فعل الٰہیہ ہے جو اس مرتبہ کا وجہ اللہ ہے۔ ہر فعل میں خالق فعل، اللہ تعالیٰ ملحوظ رہیں۔ اس مرتبہ کی مثالیں ان گنت ہیں جس سے قرآن کریم لبریز ہے۔ صرف اس قدر مشاہدہ کافی ہے کہ انسان میں جس طرح مالکیت کا ادراک ہے اسی طرح انفس میں غور فرمائیں تو فاعلیت کا بھی ادراک ہے۔ جس طرح مالکیت صورت سے کٹی اس طرح فاعلیت بھی قطع ہو جائے۔ فاعلیت مستحضر رہے۔ افعال وکسب معقول۔ معقول شئے موجود کیسے ہو سکتی ہے؟ رفع جہل کے بعد علم ہی عین عمل ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ﴿۱۳﴾ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۚ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ﴿۱۴﴾ (الاحقاف: ۱۳، ۱۴)

مقرر جنہوں نے کہا رب ہمارا اللہ ہے۔ پھر ثابت قدم رہے تو نہ ڈر ہے ان پر اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔ وہ لوگ ہیں بہشت والے سدا رہیں گے اس میں بدلہ ہے ان کاموں کا جو کرتے تھے۔

جزاء عمل معاً ہے نہ کہ وعدہ شہداء کی بشارتیں کتاب وسنت میں کافی ہیں۔ یہ لوگ بعد واپسی عالم شہادت استفادہ حیات کریں گے۔

مقام شہادت کے منتہا پر مقام قرب وصدیقیت ہے۔اس مقام میں صفات ووجود کی نفی واثبات ہے۔یہاں کے علم وعمل سے ولایت کبری کا مقام ملتا ہے۔

فَاَمَّآ اِنۡ كَانَ مِنَ الۡمُقَرَّبِيۡنَ ﴿۸۸﴾ فَرَوۡحٌ وَّرَيۡحَانٌ ۙ وَّجَنَّتُ نَعِيۡمٍ ﴿۸۹﴾

(الواقعہ ۸۸،۸۹)

سو جو اگر وہ مردہ ہوا مقرب لوگوں میں تو راحت ہے اور روزی ہے اور باغ نعمت کا)

یہاں توحید اتم ہوجاتی ہے اور امانت وخلافت وولایت کا تاج ابدی سرفراز ہوتا ہے۔یہ مقام آسان تر اور سخت تر ہے۔عینیت وغیریت کے تمام نقاب اٹھ جاتے ہیں اور بندہ اپنے مقام صحیح وعبدیت پر فائز ہوکر خلیفہ وامین کہلاتا ہے۔اس بندہ میں اللہ کے سوا کچھ نہیں رہتا۔ انفس وآفاق کھل جاتے ہے۔یافت وشہود اس مرتبہ کی نعمت عظمی عمل ہے۔اولیائی تحت قبائی لا یعرفہم سوائی کے لقب سے ممتاز ہوجاتا ہے اس کے تفصیلی علوم کا موقع نہیں، ذرا بالمشافہ علوم کے حصول کی ضرورت ہے۔

گویا انسان اوراک مالکیت وحاکمیت انفسی۔افعال وصفات ربوبیت انفسی جو الوہیت کے نام سے موسوم ہیں اور انفسی ہیں جس کو اپنی ذات سمجھا ہے یہ ہر مرتبہ کا شرک ہے ۔جب ان کی نفی کی اور حق تعالی کی امانت سمجھا تو جملہ عضبی نسبتیں مرتفع ہوکر امانت سے بدل جاتی ہیں۔اس امانت کا دوسرا نام خلافت ہے۔اس کے بعد دوسرا مرتبہ استرداد امانت کا ہے ۔اس استردادی مقام کو شدن سے اولیاء تعبیر فرماتے ہیں۔یہ بہت ہی نازک مقام ہے جو یافت وشہود سے قائم ہوتا ہے اس پر گفتگو کرنا استعداد حال پر منحصر۔ ع

تو خود حجاب خودی حافظ از یاں برخیز

قرب نے بالا زپستی رفتن است　　قرب حق ہستی خود رستن است

از انا چوں رست شد اکنوں انا　　مرحبا برایں اناء بے عنا

☆☆☆☆

ربوبیت

کسبیات مخلوق یا لوازمات انسانی (جن) کو افعال کہتے ہیں انہی کسبیات کے اللہ پاک خالق ہیں۔کوئی کسب بلاخلق نہیں۔کوئی کسب بلاخلق کے نمایاں نہیں ہوسکتا۔یہ کسبیات کیا ہیں لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُمْ مَّا كَسَبْتُمْ ۚ (البقرہ ۱۳۴) اسی کو ملتا ہے جو اس نے کمایا اور اسی پر پڑتا ہے جس اس نے کیا) ہاتھ کے افعال، پیر کے افعال، غرضیکہ ہر عضو کے افعال کو لوازمات صورت کہا جاتا ہے۔ جیسے چلنا، پھرنا، پکڑنا وغیرہ۔ان کسبیات کو جو انسانی اعضا کے افعال سمجھے جاتے ہیں۔حق تعالی ان کو خلق فرماتے ہیں۔وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۹۶﴾ (والصّٰفّٰت) اللہ نے بنایا تم کو اور جو تم بناتے ہو)۔آپ اپنے نفس پر غور فرمائے۔ ہاتھ ہے اس میں بغیر آپ کے ارادہ کے حرکت جس کو پکڑنا، لکھنا، نوالہ بنانا-غرض کہ جو اس کے افعال ہیں وہ آپ کے چاہے بغیر ظاہر نہیں ہوسکتے۔آپ کی ارادت اور ہے ہاتھ کا فعل اور مثال کے طور پر بجلی کا پنکھا یا کوئی مشین وغیرہ کو دیکھئے بجلی چلاتی ہے اور پنکھا یا مشین چلتا ہے۔اس میں فعل کی دو حیثیتیں ہیں چلنا صورت مشین اور پنکھے کا کسب ہے بجلی اپنی قوت سے اس کو چلاتی ہے تو چلانا یا قوت دینا ایک فعل ہے اس سے مشین یا پنکھے کا چلنا جو اس صورت کا کسب ہے نمایاں ہوتا ہے اگر یہ کہیں کہ بجلی چلتی ہے تو غلط اور پنکھا یا مشین چلتا ہے تو یہ بھی غلط پھر صحیح صورت کیا؟ بجلی کا چلانا، مشین یا پنکھے کا چلنا، یہ بالکلیہ صحیح درست ہوگا۔صورت کی اقتضاء جو چلنا ہے، اس کو بہ زبان شریعت کسب کہتے ہیں۔بجلی کا قوت دینا یا چلانا اسکو خلق یعنی پیدا کرنے سے تعبیر کرتے ہیں۔تو معلوم ہوا کہ فعل کی حقیقت حرکت اور حرکت کی دو نسبتیں

ایک کا نام خلق جو وجود بخشی ہے اور دوسرے کا نام کسب جو اقتضاء (صورت ہے) ہے۔

انفس میں غور فرمائے، انسان کے سر سے پیر تک اندر باہر کتنے اعضاء و جوارح ہیں اور ہر ایک میں حرکت ہے۔ دل جگر، آنتیں وغیرہ ان سب میں ہر ایک کی ایک حرکت طبعی جدا جدا مگر سب میں صرف ایک ہی روح ہے، اور وہی قوت و حرکت دے کر بہ منزلہ بجلی سب کو چلا رہی ہے۔ اس توضیح سے وجداناً معلوم ہو گیا کہ مقتضیات اعضاء و جوارح اور ہیں اور روح کا قوت و حرکت دینا اور ہے۔ دونوں کو ایک کس طرح کیا (کہا) جا سکتا ہے اور کون قلب سلیم اس کو باور کرے گا۔ روح اور کسبیات کے نتائج افعال ہیں۔ روح کا لفظ وجدانی عملیات انسانی کو ظاہر کرنے کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ اصل قوت انفسی ہے۔ ہاتھ کی حرکت پر غور فرمائے۔ حرکت تابع قوت۔ قوت نہ ہو تو حرکت کس طرح ظاہر ہو سکے گی تو گویا حرکت تابع قوت ہے۔ اور قوت تابع ارادہ۔ اور ارادہ تابع علم اور علم تابع علیم یعنی اللہ ہے۔ صرف انفس پر توجہ فرمایئے ہاتھ کی ایک حرکت ہی کو دیکھئے کہ اس کے ظہور میں جو ہر آن ہو رہا ہے اس میں خلق و کسب جزء لاینفک ہیں۔

اَللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ (الزمر ۶۲) اللہ بنانے والا ہے ہر چیز کا۔ انسانی انفسی ادراک یا شعور نفسی جو فاعلیت وجدانی ہے یعنی (میں کرتا ہوں) غیر شعوری۔ جس طرح آثار میں بندہ مملوک ہے اور اللہ مالک ہیں اسی طرح افعال میں اللہ خالق ہیں اور بندہ کاسب ہے۔ اسی طرح ربوبیت تفصیلی جو مقام شہادت ہے۔ ظاہر ہے جس طرح شعور مالکیت انفسی کی جو میں مالک ہوں کے ساتھ وجداناً تھا، نفی کی اور اسی وجدان کو جو مالکیت انفسی ہے۔ اللہ پاک کی امانت سمجھا۔ اسی طرح مرتبہ شہادت میں انفسی فاعلیت (میں کرتا ہوں) کی نفی کرے جیسا کہ اوپر مالکیت میں کیا تھا اور کسب کو اپنی ذات کا لازمہ سمجھے جیسا کہ مملوکیت کو لازمہ عبدیت سمجھا تھا۔ تو نتیجہ کیا نکلا؟ اللہ تعالیٰ مالک، بندہ مملوک اور اللہ تعالیٰ خالق افعال، بندہ کا سب افعال غرضیکہ دیکھئے عرفان عبد و رب ساتھ ساتھ کس طرح چل رہے ہیں کسب کا انکار کفر۔ خلق کا انکار شرک۔ اور دونوں اپنے اپنے محل پر علم صحیح کا نتیجہ ہیں۔ یہ بہر حال حرکت یا

فعل کی دونسبت ایک خلق کی طرف، دوسری کسب کی طرف۔ وجہہ اللہ مرتبہ آثار میں یعنی اشیاء میں اللہ پاک کو مالک دیکھنا اور افعال میں خالق دیکھنا اس مرتبہ کا وجہہ اللہ ہوگا۔ گویا آثار میں تملیک، افعال میں تخلیق، دونوں اپنے اپنے مرتبہ میں وجہہ اللہ ہونگے۔ اب علم صحیح کے اعتبار سے آفاق وانفس میں مجاہدۂ مومن کیا ہونا چاہئے؟ تمام مخلوقات کے افعال ہو کہ انسان صرف نفع ونقصان کی نسبت سے ہی مخلوق کو رب بناتا ہے۔ اس علم کی رو سے قوت جو تمام کائنات میں کارفرما ہے۔ لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ ۚ (الکہف ۳۹) طاقت نہیں مگر جو دے اللہ- اللہ پاک کی ہے۔ جب تک وہ نہ چاہیں کسب، خلق نہیں ہوسکتا، تو نفع یا ضرر کسی کو پہونچانے کے لئے قوت ہونی چاہئے۔ بغیر قوت کوئی فعل ظاہر نہیں ہوتا۔ قوت مخلوق کی نہیں بلکہ خالق کی ہے، تو تمام عالم مردہ ہوگیا۔ اگر انسان کو یہ معلوم ہوا کہ فلاں شخص مجھے نفع وضرر نہیں پہونچا سکتا تو اس سے خوف وتوقع کب کرتا ہے؟ ہرگز نہیں تو اس اعتبار سے تمام مخلوقات ارضی وسماوی سے فعل کی نفی کی اور سمجھا کہ مخلوق فاعل بالذات نہیں ہے تو عالم سے بے خوف اور ناامید (بہ قطع توقع) ہوگا یا نہیں؟ اور قلب میں ایک ہی کا خوف اور امید رہے گی۔ اور وہ ہے اللہ تعالی۔

جزائے قرآنی سنئے۔ اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ (الاحقاف: ۳۰) مقرر جنہوں نے کہا رب ہمارا اللہ ہے) جنہوں نے اللہ ہی کو رب یعنی خالق افعال سمجھا ثُمَّ اسْتَقَامُوْا (الاحقاف: ۳۰) تو نہ ڈر ہے ان پر اور نہ غمگین ہونگے) سبحان اللہ! لاقوۃ الا باللہ کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جنت کے خزانوں میں سے ایک خزانہ فرمایا ہے کیونکہ قوت ہی پر تمام افعال کا مدار ہے اس اجمال وتفصیل ربوبیت کو جو مقام شہادت ہے بین النصوص ملاحظہ فرمائیے، اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۱۳﴾ (الاحقاف) انہیں کو شہداء سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۚ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴﴾ (الاحقاف) وہ لوگ ہیں بہشت والے سدا رہیں گے اس میں۔ بدلہ ہے ان کاموں کا جو کرتے تھے)۔ عمل کی جزا جنت ہے۔ مالکیت وفاعلیت انفسی فنا ہوئی

علم بدلا۔ امانت معلوم ہوئی مقام صالحیت وشہادت ملا۔ الحمداللہ!

اس مقام کے کفر۔ شرک۔ نفاق۔ ارتداد بدعت اور فسق کو ملاحظہ فرمائے اگرچہ کہ انسان مکلف نہیں مگر اس مقام کے کفر وشرک وغیرہ مانع مقام شہادت ہیں۔

کسب کو حق کا تصور کرے تو کفر۔ خلق کو صورت کی طرف (منسوب) کرے تو شرک ۔اس علم میں شک کرے تو نفاق۔ مان کر **نعوذ باللہ** انکار کرے تو ارتداد۔ اس میں علم ذاتی توجیہا ملا دے تو بدعت۔ اس پر عمل نہ کرے تو فسق۔ ان سب سے توبہ کیا اور عمل کیا تو قطعاً جنتی۔ مقام شہادت، سیر وتفریح، کھانا پینا۔ لوازمات حیات جاری اور مقام عرش کی قندیلوں میں۔ سبحان اللہ کیا جزاء ہے۔ الحمداللہ جھوٹ سے نکلا انفس صحیح ہوا۔ صادق فی العلم و عمل ہوا۔ یہ سب احسان رسالت ہے۔

صلی اللہ علیہ وسلم

ملنے کا پتہ:

Md. Fazl e Rahman Mahmood

H. No. 19-4-281/A/39/1, Nawab Sahab Kunta, Saleheen Colony,
Near Nehru Zoological Park, Hyderabad, 53, T.S., INDIA
Phone : 040-24476095 - Cell : 7702626695
Website : www.silsilaekamaliya.com

AISH Offset Printers, 65871440, 9346338145, 9391110835